السلام علی کریم اهل البیت

مجله علمی و تحقیقاتی

اختر تابان

رمضان المبارک و شوال المکرم ۱۴۴۶ھ

بنیاد اختر تابان

www.allamahrizvi.com

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ

بہارِ عبادت

بنیاد اختر تابان کی جانب سے **رمضان المبارک ۱۴۴۶ ھ**
کے موقع پر **بہار عبادت** کے عنوان سے خصوصی
پروگرام پیش کیا جا رہا ہے۔

حجۃ الاسلام مولانا احتشام عباس صاحب

حجۃ الاسلام مولانا شمیم رضا صاحب

حجۃ الاسلام مولانا سید کاظم صاحب

حجۃ الاسلام مولانا ذیشان حیدر صاحب

حجۃ الاسلام مولانا مسرت عباس صاحب

حجۃ الاسلام مولانا سید حسن صاحب

ڈاکٹر باقر ایلیا صاحب

حجۃ الاسلام مولانا عقیل احمد صاحب

ڈاکٹر مجتبی اختر صاحب

حجۃ الاسلام مولانا معظم حسین صاحب

مومنین سے گزارش ہے کہ ہمارے اس پروگرام کی
ویڈیوز کو زیادہ سے زیادہ نشر (شیئر) فرما کر قرآنی اور
دینی معارف کی تبلیغ میں ہماری مدد فرمائیں۔

www.allamahrizvi.com
AKHTARTABAN-UR

WATCH IT ON YOUTube & f
@AKHTARTABAN-UR

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زیر سرپرستی حضرت ولیعصر عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف

اختر تابان

Akhtar Taban

دوماہی مجلہ علمی و تحقیقاتی اختر تابان

سال ۱ | شمارہ ۵ | رمضان المبارک و شوال المکرم ۱۴۴۶ھ

بنیاد اختر تابان

خیابان صفائیہ، کوچہ ۲۸، چہار راہ اول، پلاک ۶۳

+۹۸۹۹۶۳۷۷۸۶۱۴ - ۰۲۵۳۷۸۳۷۵۰۶

www.AllamahRizvi.com

info@allamahrizvi.com

مشخصات مجلّہ

ناظر اعلیٰ
حجۃ الاسلام والمسلمین سید کاظم رضوی

مدیر اجرائی
مولانا سید تعلیم رضا جعفری

معاون اجرائی
ڈاکٹر سید باقر ایلیا رضوی

گرافیک و ڈیزائن
سید روح اللہ نقوی

فہرست مطالب

- خاتم الکتب ---------- ۵
ادارہ
- آیت کا پیغام ---------- ۷
ادارہ
- ماہ رمضان کی فضیلت اور روزوں کے فوائد ---------- ۸
رئیس المبلغین علامہ سید سعید اختر رضوی گوپالپوری (اعلی اللہ مقامہ)
- کائنات کی مظلوم ترین شخصیت ---------- ۱۶
مولانا سید باقر ایلیا رضوی
- رمضان المبارک اور روزہ چالیس احادیث کی نگاہ میں ---------- ۱۸
مولانا سید تعلیم رضا جعفری
- جناب خدیجہؑ؛ حضرت رسول خداؐ کی ہمدرد بیوی ---------- ۲۵
مولانا محمد علی
- حضرت امام مہدی(ع)، رمضان المبارک کی دعاؤں میں ---------- ۳۷
مولانا سید تعلیم رضا جعفری
- امام علی(ع) کے مثالی بھائی کی خصوصیات ---------- ۴۷
سیدہ نہاں نقوی
- آثار و برکات رمضان المبارک ---------- ۵۱
انیس زہرا رضوی
- اشعار در مدح حضرت امام حسن مجتبیٰ(ع) ---------- ۶۱
مولانا عرفان عالم پوری
- THE BRIGHT BIRTH OF PROPHET MOHAMMAD (PBUH) AND IMPORTANT EVENTS BEFORE DECLARING PROPHETHOOD (PART-4) ---------- ۶۴
RAIS AL-MUBALLIGHEEN ALLAMAH SAYYID SAEED AKHTAR RIZVI

توجہ: مقالہ نگار کی آراء سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔
علماء کرام اور طلاب محترم اپنے مفید مقالات اور تحقیقی آراء سے ہمیں نواز کر شکریہ کا موقع عطا فرمائیں۔

بنیاد اختر تابان۔ قم

اداریہ: خاتم الکتب

پروردگار عالم نے انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء و پیغمبروں کو بھیجا۔ ان میں سے بعض کو مختلف کتابیں اور صحیفوں سے نوازا جن کو آسمانی کتابوں کے عنوان سے یاد کیا جاتا ہے؛ انہیں میں سے سب سے مشہور حضرت داودؑ کو ملنے والی کتاب "زبور"، حضرت موسیٰؑ کو ملنے والی کتاب "تورات"، حضرت عیسیٰؑ کو ملنے والی کتاب "انجیل" اور تاجدار کائنات، خاتم الانبیاء والمرسلین حضرت محمد مصطفیٰؐ کو ملنے والی کتاب "قرآن مجید" ہے۔ پروردگار عالم نے تمام مذکورہ چاروں آسمانی کتابوں کو ماہ رمضان المبارک ہی میں انبیاء و مرسلین پر نازل فرمایا ہے۔ اسی وجہ سے ماہ مبارک رمضان کو عظیم فضیلت اور بلندی حاصل ہے۔ پروردگار عالم نے تمام آسمانی کتابوں میں قرآن مجید کو "خاتم الکتب" کے عنوان سے نازل فرمایا ہے یعنی قرآن کے بعد اب قیامت تک کسی دوسری کتاب کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی کتاب میں پروردگار نے تجلیات ہدایت کو رکھا ہے جس سے دنیا و آخرت کی تمام تر ہدایات کے نقوش کو رکھا گیا ہے۔ یہ کتاب ہر قسم کے شک و شبہہ سے بالاتر ہے۔ اور اس کتاب کو سب سے عظیم بنایا گیا ہے اور ماہ مبارک رمضان کی سب سے عظیم و برتر شب میں، کائنات کی سب سے عظیم شخصیت کے قلب مبارک پر نازل فرمایا ہے۔

قرآن اور رمضان المبارک کے درمیان بہت گہرا رابطہ ہے اور اس تقارن و ارتباط کے بہت سے گوشے اور پہلو ہیں جن کے بارے میں آیات و روایات میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے جن کے بارے میں مطالعہ کرنا اور اس کی تعلیمات و پیغامات پر حتی المقدور عمل کرنا ہم سب پر لازم و ضروری ہے۔ اس لئے کہ قرآن مجید، سعادت اور کمال کی طرف ہدایت اور راہنمائی کرنے والی کتاب ہے۔

قرآن مجید کا ایک اہم و ابتدائی پیغام تعلیم و تعقل پر توجہ دینا ہے اسی وجہ سے بہت سی آیات میں علم و معرفت کے حصول اور معلومات کے بارے میں تدبر، تامل، تعقل کرنے کی تاکید آئی ہے بلکہ کثرت آیات کی وجہ سے قرآن مجید کا ایک چوتھائی حصہ علم و معرفت کے موضوعات سے مربوط ہے اور جو سب سے پہلی اور ابتدائی آیات آنحضرتؐ پر نازل ہوئیں وہ علم و معرفت ہی سے مربوط ہیں کہ "اس اللہ کے نام سے پڑھو جس نے پیدا کیا ہے، اس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا ہے، پڑھو اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے

ذریعہ تعلیم دی ہے-اور انسان کو وہ سب کچھ بتا دیا ہے جو اسے نہیں معلوم تھا" (سورہ علق ۱-۵) ۔اس سے بڑھ کر، بنیادی طور پر انسان کی خلقت علم و معرفت کے ساتھ منسلک ہے۔قرآن مجید اس بات کی طرف یوں اشارہ کرتا ہے: "اور خدا نے آدم کو تمام اسماء کی تعلیم دی اور پھر ان سب کو ملائکہ کے سامنے پیش کر کے فرمایا کہ ذرا تم ان سب کے نام تو بتاؤ...اگر تم (اپنے خیال استحقاق میں) سچے ہو؟" (سورہ بقرہ، آیہ ۳۱) ۔

خلاصہ یہ ہے قرآن جیسی عظمتوں کی حامل کتاب کو پروردگار عالم نے اپنے عظیم مہینے میں نازل فرمایااور لوگوں کو اس ماہ میں خاص طور پر اپنی ہدایت و رحمت کی طرف بلایا ہے لہٰذا ہم سب پر لازم ہے کہ اس مہینے میں روزوں کی برکت، قرآن کی برکت، سحر و افطار کرنے اور دوسروں کو سحر و افطار کروانے کی برکت سے خود کو ہر گز دور نہ رکھیں اور ہمیں عبادتوں کے ساتھ ساتھ اس مبارک مہینے اور مبارک کتاب قرآن مجید اور اہل بیتؑ کی تعلیمات کی روشنی میں جس چیز کی جانب سے سب سے زیادہ متوجہ رہنا چاہیئے وہ دین و شریعت کے احکام کی تعلیم حاصل کرنا ہے؛اس لئے کہ تمام آسمانی کتابوں کا اہم مقصد اور خود اس بابرکت مہینے کا ایک اہم اور اعلیٰ ہدف انسان کی تربیت ہے اور انسان کی تربیت بغیر الٰہی تعلیمات کے ممکن نہیں ہے۔

آیت کا پیغام

کبھی کبھی ہم چاہتے ہیں کہ سال کے اہم دنوں اور خاص مناسبتوں جیسے روز جمعہ، شب قدر، ماہ رمضان المبارک، عید کے ایام اور معصومینؑ کی ولادتوں کی مناسبت میں ایسا کام کریں اور ایسی عبادت کریں کہ خداوند عالم کی جانب سے زیادہ سے زیادہ نظر کرم ہمارے شامل حال ہو جائے اور ہم معاف کردیئے جائیں۔ لیکن قرآن مجید کی بعض آیات کی روشنی میں معافی کا حصول خود ہمارے اپنے اختیار میں ہوتا ہے جب ہم خود معافی حاصل کرنا چاہیں گے تو ہمیں اللہ کی طرف سے بھی معافی مل جائے گی۔ اس معافی کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے دل کو اچھی طرح پاک صاف کرلیں اور روح و حوصلے میں بلندی اور قلبی فراخدلی کے ساتھ دوسروں کو معاف کردیں؛ یعنی اگر ہمارے دل میں کسی دینی و ایمانی بھائی کے لئے کوئی دشمنی، حسد، کینہ، نفرت، بیزاری پیدا ہوگئی ہے یا کسی دینی و ایمانی بھائی نے ہمارے حق میں ظلم کیا ہے، ہمیں اذیت دی ہے، ہمارے ساتھ بدسلوکی کی ہے تو ہمیں چاہئے کہ ہم اسے اللہ کے لئے معاف کردیں بس۔ خداوند عالم فرماتا ہے کہ اگر تم دوسروں کو معاف کرتے ہو تو یہ معاف کرنا خود تمہارے لیے معافی اور بخشش کا ذریعہ بن جائے گا؛ ارشاد ہوتا ہے: «وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَى وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ»؛ "اور جو لوگ تم میں سے صاحب فضل (و صاحب وسعت) ہیں، وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ رشتہ داروں اور محتاجوں اور اللہ کی راہ میں اپنے وطن کو چھوڑنے والوں کو کچھ بھی خرچہ نہیں دیں گے (ان کی مدد کرنا بند کردیں گے)۔ بلکہ ان کو چاہیئے کہ معافی اور در گزر کریں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے ہو کہ خدا تم کو بھی معاف کردے؟ اور خدا تو بہت بخشنے والا مہربان ہے" (سورہ نور، آیہ ۲۲)۔ آیت کا اہم پیغام یہ ہے کہ انسان کو ہمیشہ اس بات کو یاد رکھنا چاہئے کہ کسی نہ کسی دن اسے بھی معافی کی ضرورت پڑے گی۔ لوگوں کی طرف سے نہ سہی۔ قیامت و حساب کتاب کے دن، اللہ کی جانب سے معافی اور بخشش کی ضرورت تو سبھی کو ہوگی۔ لہٰذا اگر آج ہم ایک دوسرے کو معاف کرنے اور ان کی غلطیوں اور خطاؤں کو معاف کرنے اور پوشیدہ رکھنے کی روش اپنا لیں گے تو خداوند عالم بھی ہمیں دنیا و آخرت میں آسانی سے معاف کردے گا۔

ماہ رمضان کی فضیلت اور روزوں کے فوائد

▪ تحریر: رئیس المبلغین علامہ سید سعید اختر رضوی گوپال پوری (رح)

مقدمہ:

رمضان کا مہینہ، برکتوں والا مہینہ ہے۔ یہ مہینہ تمام مہینوں کا سردار ہے اور خدا کا مہینہ ہے۔ اس مہینہ میں اللہ تعالی اپنی رحمتوں کے دروازے کھول دیتا ہے اور خدا کا فضل و کرم بندوں کو ہر طرف سے گھیر لیتا ہے اب یہ ہم لوگوں کا کام ہے کہ اس رحمت اور مہربانی سے اپنے دامن کو جہاں تک ممکن ہو بھر لیں اس مہینہ کی سب سے بڑی نعمت روزہ ہے۔

اللہ تعالی نے کتنے پیارے انداز میں روزے کا حکم دیا ہے ارشاد ہوتا ہے "یا أَیُّهَا الَّذینَ آمَنُوا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیامُ کَما کُتِبَ عَلَى الَّذینَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُونَ، أَیّاماً مَعْدُوداتٍ (بقرہ، ۱۸۳)۔

(اے ایمان لانے والو! تمہارے اوپر بھی روزہ واجب کیا گیا جس طرح ان لوگوں پر واجب کیا گیا تھا جو تم سے پہلے گذرے ہیں تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ تقوی اختیار کرو اور یہ حکم صرف چند معین دنوں کے لئے ہے)۔ آپ دیکھیں تو سہی آیت شروع ہوتی ہے "یا أَیُّهَا الَّذینَ آمَنُوا" سے تاکہ ہمیں یہ یاد رہے کہ ہم اللہ تعالی پر ایمان لا چکے ہیں اور یہ اقرار کر چکے ہیں کہ خدا اور اس کے بھیجے ہوئے نبی اور امام ہم پر خود ہم سے زیادہ اختیارات رکھتے ہیں جب ہم یہ اقرار کر کے اپنے کو صحیح معنوں میں خدا کا بندہ بنا چکے ہیں، تو پھر خدا جو حکم دے ہمیں خوشی اور شوق کے ساتھ اس پر عمل کرنا ہی چاہئے ہمیں اس کی مصلحت اور وجہ معلوم ہو یا نہ ہو لیکن روزہ کی مصلحتیں اور اس کے فائدے تو ایسے ظاہر اور کھلے ہوئے ہیں کہ ہر شخص اس کو مانتا ہے چاہے وہ مسلم ہو یا غیر مسلم، مومن ہو یا کافر روزے کے فائدے کو سب مانتے ہیں۔

روزے میں جتنے جسمانی، روحانی، اخلاقی، تمدنی، اور مذہبی فائدے اکٹھا ہوگئے ہیں ان سب کا مفصل بیان بہت مشکل ہے یہاں مختصر طریقے سے چند جملہ بطور اشارہ لکھتا ہوں۔

جسمانی فائدہ:

ہمارے جسم کے اندر غذا کی بے احتیاطیوں اور نظام زندگی کی بے اعتدالیوں کی وجہ سے جو خرابیاں پیدا ہو جاتی ہے اور جو فاسد مادے جمع ہو جاتے ہیں روزہ ان سب کا بہترین مداوا اور سب سے عمدہ علاج ہے۔

حکیم اور ڈاکٹر سینکڑوں امراض میں مریضوں کو فاقہ کرلیا جائے تو مکمل شفا حاصل ہوجاتی ہے، اللہ تعالی نے ہمیں منظّم طریقے سے فاقہ کرنے پر مامور کیاہے اور اس کو عبادت قرار دیاہے یہ بھی اس کی رحمت کا ثبوت ہے کہ ہماری عبادتوں میں اخروی فوائد کے علاوہ دنیاوی فوائد بھی ودیعت کئے ہیں اب بھی ہم اس کی اطاعت سے سرتابی کریں تو یہ ایسی احسان فراموشی ہوگی جس کی نظیر نہیں مل سکتی یہاں یہ عرض کرنا بے جانہ ہوگا کہ جہاں تک جسمانی فوائد کا سوال ہے ہم لوگوں کاآج کل کا یہ طریقہ کچھ اچھانہیں ہے کہ ہم رات کے وقت دن کے کھانے کی کمی سود سمیت وصول کرلیتے ہین اور مزید برآں کھانے میں ایسی چیزیں شامل کرلیتے ہیں جو دیر ہضم اور ثقیل ہوتی ہیں، مناسب طریقے تو یہ ہے کہ ہم رات کے وقت ہلکی اور زود ہضم غذائیں معتدل طریقے سے استعمال کریں اگر ہم اپنا یہ طریقہ رکھیں توہمیں روزہ کا روحانی فائدہ بھی حاصل ہوگا۔

روحانی فائدہ:

ہم خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ روح کی اصل غرض خلقت کمالات عالیہ کا حصول ہے اور وہ اس غرض کو پورا کرنے کے لئے ملّا اعلی اور بارگاہ قدس کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور وہاں سے کسب کمال اور تحصیل شرف کرنا چاہتی ہے لیکن اس کی ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ جسم کا نظام درست رکھے اور اس کی دیکھ بھال کرتی ہے ہم جب تک جاگتے رہتے ہیں اس کے علاوہ جب تک ہمارے معدہ کی چکی رہتی ہے۔ روح بیچاری کو جسم کی دیکھ بھال میں اس قدر مشغول رہنا پڑتا ہے کہ اس کو بارگاہ الہی کی طرف متوجہ ہونے کا موقع نہیں ملتااور اس کے اصل مقصد خلقت کے حاصل کرنے میں رکاوٹ پڑتی ہے روزہ کی وجہ سے دن کے وقت بھی ہمارا بدن ہلکا رہتا ہے اور اگر ہم ہلکی اور صرفا بقدر ضرورت غذا شب میں استعمال کریں تورات کو بھی روح کو جلد فرصت مل سکتی ہے اور اس کو اتنا موقع مل سکتا ہے کہ وہ ایک مہینہ تک مسلسل بغیر کسی زیادہ جھنجھٹ کے ملاء اعلیٰ سے اپنا لگاو قائم رکھے اور اخروی و نورانی درجات کو شوق وذوق کے ساتھ حاصل کرتی رہے۔

اخلاقی فائدہ:

دنیا میں بہت سے خدا کے بندے ایسے ہیں جن کو کبھی پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہیں ہوتا یہ وہ لوگ ہیں جن کا حق امیروں کی دولت میں اللہ تعالی نے قرار دیا ہے اور فرمایا کہ: فقرا میرے عیال ہیں اور اغنیاء میرے امیں ہیں امیروں کو جب تک خود تجربہ نہ ہو اس کا احساس نہیں ہوسکتا کہ فاقہ کش غریبوں پر کیا گذرتی ہے اس لئے خداوند عالم نے امیر وغریب سب پر روزہ فرض قرار دیا تاکہ امرا کو بھوک کا ذائقہ معلوم

ہو جائے اور وہ سمجھ سکیں کہ غریبوں کے دل پر بھوک کے عالم میں کیا گذرتی ہے امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے کہ روزہ اس لئے فرض کیا گیا کہ امیر و غریب دونوں مساوی ہو جائیں اور امیر بھوک کی اذیت محسوس کرے تاکہ غریبوں پر سچے دل سے رحم کرے اوان کی اعانت شوق سے کرے۔

مذہبی فائدہ:

اس مبارک مہینہ میں روزہ کا حکم دے کر اللہ تعالیٰ نے ہماری مذہبی ٹریننگ اور ریاضت کا سامان مہیا کر دیا ہے ہم سب خوب جانتے ہیں کہ جو لوگ کسی چیز کی ٹریننگ حاصل کرنے جاتے ہیں ان کو ٹریننگ کے زمانے میں آرام نہیں ملتا بلکہ اس کے برخلاف پچاسوں قسم کی مشقتیں اٹھانی پڑتی ہیں مثلاً کوئی سپاہی ٹریننگ کیلئے جائے تو دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں سے کسی وقت کو وہ اپنا وقت نہیں سمجھ سکتا۔ کھانا، پینا سب قواعد و ضوابط کے ماتحت ہوگا۔ سونے جاگنے کے اوقات مقرر مشق اور ریاضت لازمی ہوگی۔ میلوں تک پہاڑوں اور خطرناک راستوں پر اس کو چلایا جاتا ہے۔ بوریا بستر اور خوراک دوش پر لادے ہانپتا کانپتا بیچارہ سپاہی بڑھتا چلا جارہاہے۔ ہر قدم پر بیٹھ جانے کو جی چاہتا ہے۔ پاؤں میں سوجن آجاتی ہے لیکن کمانڈنگ آفیسر ایسی حالت میں بھی رحم نہیں کرتا بلکہ (quick march) کا حکم برقرار رکھتا ہے۔ یہ کیوں؟ کیا اس لئے کہ اس کا آفیسر اس کا دشمن ہے؟ نہیں بلکہ اس لئے کہ وہ یہ چاہتا ہے کہ اس ٹریننگ میں انتہائی سخت مشکل اور صبر آزما منزلوں سے اس سپاہی کو گذارا جائے اور ملازمت کے زمانہ میں آئندہ جس قسم کے حالات میں اس کو زندگی بسر کرنی ہوگی۔ اس سے بھی زیادہ سخت حالات اس کے سامنے پیش کردئے جائیں اور ان کا عادی کر دیا جائے تاکہ جب سخت حالات اس کے سامنے پیش کر دئے جائیں اور ان کا عادی کر دیا جائے تاکہ جب اصل ڈیوٹی کا وقت آئے تو اس کو وہ ڈیوٹی سہل اور آسان معلوم ہوا اور وہ خوشی سے اپنے فرائض کو انجام دے.

اسی طرح خداوند عالم نے اس ماہ مبارک میں روزہ کے اوقات می حلال چیزوں کو بھی ہمارے لئے حرام قرار دے دیا کھانے اور پانی جیسی ضروری چیزیں ہمارے لئے منع کر دی گئی جو لذتیں دوسرے دنوں میں جائز بلکہ بعض اوقات باعث ثواب تھیں وہ ان دونوں میں قطعی ناجائز گناہ اور حرام کردی گئیں کیوں؟ تاکہ ہمیں احکام خدا کی پابندی کی عادت پیدا ہو جائے اور حلال و طیب چیزوں سے بھی ہمیں اس کا بھی احساس ہو جائے کہ خدا نے جتنی چیزیں ہمارے لئے جائز کی تھیں وہ صرف اس کی مہربانی ہے ورنہ وہ انہیں چیزوں کو ہمیشہ کے لئے حرام کر سکتا تھا لیکن یہ اس کا فضل و کرم ہے کہ اس نے ہمارے لئے زیادہ

چیزوں کو حلال اور بہت کم چیزوں کو حرام قرار دیا ہے۔

بہر حال رمضان کی اس ریاضت سے ہم کو یہ فائدہ ہوتا ہے کہ باقی دنوں میں حرام اور ناجائز چیزوں سے بچنے میں ہمیں کوئی دشواری نہیں ہوسکتی آخر ایک مہینہ تک بظاہر انتہائی ضروری اور حلال چیزوں سے بھی ہم پرہیز کر سکتے ہیں تو اس کے بعد صرف ناجائز اور غیر ضروری بلکہ روحانی اور جسمانی لحاظ سے نقصان دہ چیزوں سے پرہیز کرنے میں ہمیں کون سی وقت محسوس ہوسکتی ہے۔

یہی مطلب ہے خداوند حکیم کے اس ارشاد کا کہ تم پر روزہ اس لئے فرض کیا گیا" **لعلکم تتقون** " تا کہ تم متقی اور پرہیزگار بن جاویوں سمجھئے کہ رمضان کے فیض سے ہم سال کا ۱-۲ حصہ خدا کی مکمل اطاعت میں گذارتے ہیں گویا اپنی زندگی کا بارہواں حصہ خدا کی مرضی کے مطابق بسر کرتے ہیں اب اگر رمضان کی اس ریاضت کا صحیح فائدہ ہم اٹھالیں تو سال کے باقی دنوں میں خدا کی خوشنودی کے مستحق بن سکتے ہیں اور یہ زندگی کا بارہواں حصہ بڑھتے بڑھتے آدھی زندگی یا پوری زندگی بن سکتا ہے بس شرط صرف اتنی ہے کہ رمضان میں اطاعت الہی کا جوش اور ولولہ پیدا ہوتا ہے اس کا کچھ اثر بعد میں بھی باقی رہے۔

روزوں کی اہمیت:

روزہ کی اہمیت اس حدیث قدسی سے بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ **الصوم لی وانا اجزی به** (ارشاد الہی ہے کہ روزہ خاص میرے لئے ہے اور خود میں اس کی جزا دوں گا) یعنی روزہ کا ثواب اتنا زیادہ ہے کہ فرشتے بھی اس کا احاطہ نہیں کر سکتے بلکہ خود خدائے قادر علیم اس کی جزا دے گا جو عبادت اتنی مہم بالشان ہوا گر اس کے بجالانے میں ہمیں تھوڑی سی تکلیف بھی اٹھانی پڑے تو ہمیں اس کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے۔

بقول سعدی:

به رنج اندر است ای خردمند گنج
نیابد کسی گنج نابرده رنج

دوسری عبادتوں کے مقابلے میں روزہ کو اتنی خصوصیت اللہ نے کیوں بخشی ہے؟ دیکھئے نمازی کو دوسرے لوگ نماز پڑھتے دیکھ سکتے ہیں۔حج اور جہاد دوسروں کی ہمراہی اور میعت میں دوسروں کے ساتھ ساتھ انجام دیا جاتا ہے۔ خمس اور زکوۃ وصدقات کے ادا کرنے کی خبر کم سے کم اس مستحق کو تو ہوہی جاتی ہے جس کو وہ رقم ملتی ہے اس طرح ہم دیکھتے ہیں تمام عبادتوں کی خبر اور اطلاع دوسروں کو ہوجاتی ہے اور ایسی صورت میں ریاکاری کا زیادہ موقع مل سکتا ہے لیکن روزہ ایسی عبادت جس میں ظاہری طور سے کوئی عمل نہیں کرنا پڑتا بلکہ صرف نیت کر کے کچھ کاموں سے بچے رہنا پڑتا ہے اس لئے دوسروں کو اس کی خبر

نہیں ہوسکتی کہ فلاں شخص روزہ دار ہے جب تک وہ خود اس کو ظاہر نہ کرے اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ روزہ میں ریاکاری کا امکان اور موقع دوسری عبادتوں کے مقابلہ میں کم ہے شاید اسی لئے خدا نے اسے خاص طور سے اپنی عبادت قرار دے کر اس کا ثواب دینا اپنے ہی ہاتھ میں رکھا ہے ہم میں سے کچھ لوگ روزہ رکھتے ہیں تو ہر وقت منھ بنائے رہتے ہیں تیوری چڑھی ہوتی ہے بات بات پر جھنجھلاتے ہیں گھر والے اور نوکر چاکر ڈر کے مارے دور رہتے ہیں ادنی سی بات خلاف مزاج ہوئی اور انہوں نے چیخ پکار مچائی اور سارا گھر سر پر اٹھالیا، جیسے انہوں نے اپنا فریضہ انجام دے کر دوسروں پر کوئی احسان کیا ہے۔ اس طریقہ عمل کی وجہ سے روزہ کی یہ خصوصیت ختم ہوجاتی ہے کہ وہ ایک پوشیدہ عبادت ہے اگر ہم روزہ کو روزہ کی طرح رکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں اس بد اخلاقی سے پرہیز کرنا چاہئے۔

روزوں کے درجات

میں مناسب سمجھتا ہوں کہ یہاں پر روزہ کی تین حیثیتوں کا بیان کروں؛ روزہ کے بہت سے درجے اور زینے ہیں ان میں پہلا زینہ تو یہ ہے کہ ہم صرف ان چیزوں سے بچے رہیں جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور جن کو مفطرات کہا جاتا ہے یہ سب سے پہلا درجہ ہے، اور اس کا فائدہ صرف یہ ہوتا ہے کہ ہم تارک الصوم کے عذاب سے بچ جاتے ہیں اور روزہ داروں کی فہرست میں ہمارا نام لکھ لیا جاتا ہے لیکن ہمیں صرف اتنے ہی پر قناعت کرلینا مناسب نہیں ہے ہمیں کم سے کم اس کی کوشش کرنی چاہئے کہ کم سے کم اس سے اگلے درجے پر پہونچ جائیں تاکہ روزہ کے جو روحانی فائدے ہیں ہو وہ ہمیں حاصل ہوجائیں اور روزہ داروں کی جو فضیلتیں ہیں ان کا کچھ حصہ ہمیں بھی مل جائے۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ جس طرح روزہ میں ہم پیٹ اور جنسی تعلقات پر پابندی لگادیتے ہیں۔ اسی طرح آنکھ، کان، زبان، ہاتھ، اور پاوں پر پابندی لگادیں۔

۱) آنکھ پر یہ پابندی ہو کہ کسی نا محرم پر نظر نہ ڈالیں، کسی ایسی چیز کو نہ دیکھیں جس کا دیکھنا جائز نہیں ہے۔

۲) کان پر یہ پابندی ہو کہ کسی کہ برائی یا غیبت نہ سنیں، گانے بجانے کی آوازوں سے پرہیز کریں، جھوٹی باتوں سے الگ رہیں۔

۳) زبان پر یہ پابندی ہو کہ فضول اور ناجائز باتیں زبان پر نہ آئیں، کسی پر غصہ نہ کریں، لڑائی جھگڑا سے پرہیز کریں، غیبت، بہتان اور دل آزاری سے دور رہیں۔

۴) ہاتھ پر یہ پابندی ہو کہ ہم اس سے کسی کو نقصان نہ پہونچائیں، لوگوں کو ستانے سے پرہیز کریں ناجائز طریقوں سے پیسہ حاصل کرنے سے باز رہیں

۵) پاوں پر یہ پابندی ہو کہ ہم ان راستوں پر قدم نہ بڑھائیں جو گناہ کی طرف لے جاتے ہیں سینما تھیٹر ایسے ہی دوسرے گناہ کے اداروں سے دور رہیں۔

اگر ہم ان پابندیوں کے ساتھ روزہ رکھیں گے تو انشا اللہ تعالی ہمارا روزہ خدا کی بارگاہ میں تقرب حاصل کرنے کا ذریعہ بن جائے گا۔

روزہ میں سونا بھی عبادت قرار دیا گیا ہے رسالتمآبؐ نے فرمایا ہے کہ رمضان میں تمہاری سانس تسبیح اور تمہاری نیند عبادت، نیند کو عبادت قرار دینے کا ایک سبب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نیند کے عالم میں روزہ دار ان تمام برائیوں سے بچا رہتا ہے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے اور گناہوں سے محفوظ رہتا ہے۔

شائد کوئی یہ خیال کرے کہ آدمی جب بھی سوتا ہے گناہوں سے دور رہتا ہے اس لئے رمضان ہی کیا خصوصیت ہے کہ اس میں سونا عبادت ہے اور دوسرے مہینوں میں سونا عبادت نہیں ہے۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے روزہ کے علاوہ کوئی دوسری عبادت ایسی نہیں ہے جو نیند کے عالم میں کوئی نہیں دے سکتا حج کے ارکان اور جہاد کی دوڑ دھوپ نیند کی حالت میں نہیں ادا ہوسکتی لیکن روزہ وہ عبادت ہے جو نیند کی حالت میں بھی جاری رہتی ہے اور باطل نہیں ہوتی، اس لئے روزہ دار ہی کی نیند کو عبادت کہا جاسکتا ہے۔ غیر روزہ دار کی نیند عبادت کا درجہ حاصل نہیں کرسکتی۔

بہر حال روزہ کا دوسرا درجہ جو میں نے آپ کے سامنے پیش کیا ہے وہ منفی Negative کیریکٹر کا ہے یعنی اس درجہ میں انسان برائیوں سے بچتا ہے۔

جب اس منزل میں پختگی آجائے تو اس کے بعد تیسرا درجہ آتا ہے جو مثبت Positive کیریکٹر کا ہے یعنی اس میں اچھائیوں کے حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جو برادر مومن اس درجے کو حاصل کرنا چاہے تو یہ لازم ہے کہ صرف برائیوں سے بچنے پر اکتفاء نہ کرے بلکہ اس کے مقابل، اچھائیوں پر بھی عمل کرے اور اپنے تمام اعضا وجوارح اور بالخصوص آنکھ، کان، زبان اور پاؤں کو نیکیوں میں مشغول رکھے۔

۱-آنکھ سے قرآن، دعا اور حدیثوں کی تلاوت کرے، راتوں کو عبادت الہی میں جاگے، غم حسینؑ میں آنسو بہائے، خوف خدا سے گریہ کرے۔

۲- کانوں سے خدا اور رسولؐ کی باتیں سنے، مسائل کو غور سے سنے اور یاد رکھے مجالس میں

شرکت کر کے اہل بیتؑ کے فضائل و مناقب کو سنے اور ان کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے کی نیت سے ان کے حالات معلوم کرے۔

۳- زبان کو ہمیشہ ذکر خدا میں مشغول رکھے جن لوگوں کے متعلق امید ہو کہ اس کی بات مانیں گے ان کو نیک کاموں کی ترغیب دے اور برائیوں سے منع کرے۔

۴- ہاتھ سے غریبوں، یتیموں، مسکینوں، اور مجبوروں کی مدد کرے، مال اور طاقت سے ان کی مشکل دور کرنے کی کوشش کرے۔ رشتہ داروں اور ہمسائیوں کی حاجتیں پوری کرے،

۵- پاؤں سے برادران مومن کی حاجت برآری کیلئے کوششیں کرے۔ مسجدوں اور امامباڑوں میں جائے۔ نماز جماعت کا ثواب حاصل کرے، اگر ہم کوشش کریں تو ایک گھنٹہ کے اندر اندر روزہ کے دوسرے اور تیسرے درجہ کو حاصل کرسکتے ہیں، یہی تیسرا مرتبہ اور درجہ وہ ہے جس کو رسالتمآبؐ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ:

"ایھا الناس..."! (اے لوگو! ماہ رمضان میں) اپنے فقیروں اور غریبوں کو صدقہ دو، بزرگوں کی عزت کرو، چھوٹوں پر رحم کرو، رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ لوگوں کے یتیموں پر رحم کرو۔ نماز کے وقت اپنے ہاتھوں کو دعا کے لئے بلند کرو، کیوں کہ وہ سب سے افضل وقت ہے اس وقت خدا اپنے بندوں پر رحمت کی نظر کرتا ہے۔

"ایھا الناس"! تمہاری جان تمہاری بداعمالیوں کے بدلے گردی ہے۔ استغفار کر کے اس کو آزاد کراؤ، تمہاری پیٹھ تمہارے خراب اعمال کے بوجھ سے ٹوٹی جارہی ہے لمبے سجدے کر کے اس کو بچاؤ۔

"ایھا الناس"! جو اس مہینے میں کسی روزہ دار کو افطار کرائے اس کو اللہ تعالیٰ ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب دے گا جو اس مہینہ اپنا اخلاق ٹھیک کرے وہ قیامت میں صراط سے آسانی سے گذر جائے گا جب کہ دوسروں کے قدم پھسلتے ہوں گے جو اپنے غلاموں پر اس مہینے میں لوگوں کے ساتھ بد خلقی اور برائی نہ کرے خدا قیامت کے دن اس کو اپنے غضب سے محفوظ رکھے گا جو اس مہینے میں رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرے خدا قیامت کے دن اس پر اپنی رحمت نازل کرے گا۔ اور جو اس مہینے میں اپنے رشتہ داروں سے برائی کرے خدا قیامت کے دن اس کو اپنی رحمت سے دور کرے گا۔ اس مہینے میں ایک آیت تلاوت کرنے کا ثواب دوسرے مہینے میں قرآن ختم کرنے کے برابر ہے جو اس مہینے میں رسولؐ اور ائمہؑ پر بکثرت صلوات پڑھے خدا اس کی نیکیوں کا پلہ قیامت کے دن بھاری کردے گا جب کہ دوسروں کے پلے ہلکے ہو رہے ہوں گے یہ رسالتمآبؐ کے ایک خطبہ کے چند

متفرق جملے ہیں جنہیں میں نے اس مضمون کی زینت بنایا ہے اس خطبہ کے خاتمہ پر امیر المومنینؑ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ، اس مہینے میں سب افضل عمل کون سا ہے۔ رسالت مآب نے فرمایا کہ اے ابوالحسنؑ:

" افضل الاعمال فی ھذ الشھر الورع عن محارم اللہ"؛اس مہینے میں سب سے افضل عمل یہ ہے کہ انسان خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں سے پرہیز رکھے۔ یہ ایک جملہ مبارکہ دین و دنیا کی تمام بھلائیوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ خدا ہمیں توفیق دے کہ ہم کم از کم صرف اس ایک جملے پر پوری طرح عامل ہو جائیں۔

آمین یارب العالمین۔

کائنات کی مظلوم ترین شخصیت

■ تحریر: ڈاکٹر باقر ایلیا رضوی - استاد جامعۃ المصطفیٰ العالمیہ قم ایران

تمہید:

امیر المؤمنین حضرت علیؑ فرماتے ہیں: «مَازِلْتُ مَظْلُوماً مُنْذُ قُبِضَ رَسُولُ اللَّهِ»؛ جس وقت سے رسول خداؐ اس دنیا سے گئے اس دن سے میں مظلوم ہوں (امالی طوسی، ص۷۲۶)۔

ایک دن ایک اعرابی نے بلند آواز سے چیخ مار کر کہا: «وَا مَظْلِمَتَاهُ!» تب امام علیؑ نے اس کو اپنے قریب بلوایا اور جب وہ نزدیک ہوا تب امامؑ نے اس سے فرمایا: « **إنّما لک مظلمة واحدة و أنا قد ظلمت عدد المدر و الوبر**» "تجھ پر ایک بار ظلم ہوا ہے مجھ پر بیابانوں کی ریت اور بارش کے قطروں کی تعداد میں ظلم ہوا ہے۔ عرب کے ہر گھر میں میری مظلومیت داخل ہوئی ہے"۔ (الخرائج والجرائح، ج۱، ص۱۸۰، ح۱۳)۔

مذکورہ جملات سے اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت امام علیؑ کی عظیم شخصیت کائنات کی مظلوم ترین فرد تھی اور علماء و بزرگوں کے بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ آپؑ آج بھی متعدد ابعاد و پہلوؤں کے لحاظ سے مظلوم ہیں لہٰذا ہم پر لازم ہے کہ ہمیں ان ابعاد کی شناخت و پہچان کریں تاکہ ہم جان سکیں کہ حضرت علیؑ کی مظلومیت کا راز کیا ہے؟ اور کہیں آپؑ کی ذات ہماری وجہ سے تو مظلوم نہیں ہے؟۔

مظلومیت امام علیؑ کا اہم پہلو:

امام علیؑ تاریخ کے مختلف اوقات و حصوں میں ظلم و ستم کی ضد میں قرار پائے ہیں، نبی اکرمؐ کے ساتھ ساتھ وہ تمام مظالم جو آنحضرتؐ پر واقع ہوئے ہیں، آپؑ بھی ان مظالم کو سہنے میں شریک تھے۔ اپنی جان کی بازی لگا کر ہر موقع پر آنحضرتؐ کے دفاع کے لئے ہر سختی برداشت کرتے رہے۔ خدا نے آنحضرتؐ کے توسط سے جب آپ کو مسلمانوں کے لئے ولی امر، خلیفہ برحق قرار دے دیا گیا تو آپ کو آپ کے حق سے دور کر کے ایسا مظلوم بنا دیا گیا کہ خود آپؑ کے بقول سالوں تک گلے میں ہڈی اور آنکھوں میں کانٹے کے ساتھ اپنی خلافت کے مقام کو دیکھتے رہے۔ اس دوران کائنات کی بہترین خاتون، آپ کی زوجہ مکرمہؑ کو مظلونہ طور پر شہید کر دیا گیا۔ مسلمانوں نے آپ کو حق ولایت کو ادا نہیں کیا اور شیعوں نے آپ کے حق امامت میں کوتاہی سے کام لیا، امام علیؑ آج بھی مظلوم ہیں اور قیامت تک مظلوم رہیں گے، تاریخ میں یہ

بہت عظیم مظالم ہیں لیکن سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ: آنحضرتؐ کے بعد امام علیؑ جو مقام ولایت کے حقدار تھے تاکہ لوگوں کی ہدایت و کمال کا ذریعہ بن سکے، اسے غاصبوں نے آپ سے چھین کر خلافت میں تبدیل کر دیا اور اپنے لئے مخصوص کر لیا، اور خلافت کو اتنا بے قیمت بنا دیا گیا کہ چند لوگوں پر مشتمل شوریٰ کے ذریعہ خلیفہ چن لیا گیا یا وصیت کر کے دوسرے تک پہونچا دیا گیا اور کبھی عمرو عاص کے ذریعہ ایک انگوٹھی کو ہاتھ سے نکال کر دوسرے کے حوالے کر دیا گیا۔ خلافت کو اتنا بے قیمت بنا دیا گیا کہ امام علیؑ اس کو ناک کے پانی اور پھٹی ہوئی جوتیوں سے تعبیر فرماتے رہے۔ جبکہ مقام ولایت وہ عظیم خدائی مقام تھا جن کے صرف معصومینؑ ہی حقدار تھے۔

امام علیؑ کی مظلومیت کے یہی عظیم راز تھا کہ مسلمانوں کی اکثریت نے مقام ولایت و امامت کی جگہ پر خلافت کو قبول کر لیا اور ہرگز مقام ولایت کا حق ادا نہیں کیا، اسلام جو ولایت و امامت کے ذریعہ دنیا کی ہدایت و کمال کا سبب بن سکتا تھا اور کروڑوں لوگوں کو گمراہی سے نجات دلا سکتا تھا اس کو ولایت سے دور، خلافت کی شکل میں دنیا میں پیش کیا گیا اور لوگ مختلف شاخوں، فرقوں میں بٹ کر گمراہ ہوگئے۔

یہی وہ عظیم ظلم تھا جو لوگوں نے اماموں پر کیا تھا جس کی شروعات امام علیؑ کی تھی انہیں بجائے یہ ولایت و امامت الٰہی کے مقام پر پہونچا کر اپنی ہدایت و سعادت کا سامان فراہم کرتے، اس کے برعکس مظلومانہ طور اس مقام سے دور رکھا اور بالآخر سب کو شہید بھی کر دیا گیا، امام علیؑ کو ۱۹ویں ماہ رمضان سنہ ۴۰ ہجری میں نماز کی حالت میں تلوار مار کر زخمی کر دیا گیا جس کی وجہ سے ۲۱ویں رمضان المبارک کو آپ اس دنیا سے کوچ فرما گئے۔

احادیث اور ماہ رمضان المبارک کی عظمتیں

تحریر: سید تعلیم رضا جعفری - طالبعلم جامعۃ المصطفیؐ العالمیہ قم ایران

مقدمہ:

اللہ تعالیٰ نے صاحبان ایمان پر ماہ رمضان المبارک میں روزہ واجب فرمایا اور اسے تقوا اور پرہیزگاری کا بہترین وسیلہ قرار دیا ہے (سورہ بقرہ، آیت ۱۸۳)۔ یقینی طور پر روزہ اور رمضان المبارک میں پروردگار متعال کی جانب سے جس طرح سے مہمانوازی کا اہتمام ہوتا ہے اور جس طرح مادی و معنوی غذاؤں کی فراوانی ہوتی ہے اس کی مثال کسی بھی مہینے میں نہیں ملتی ہے۔ اسی وجہ سے اللہ کا یہ مقدس و بابرکت مہینہ بندوں کے لئے جسمانی اور روحانی لحاظ سے رشد و نمو اور پاکیزگی کے لئے بہترین مہینہ ہے اور صبر و استقامت، ایمان اور ارادے کی پرورش کی کلاس اور سال بھر کے لئے ضابطہ زندگی کو مشخص کرنے والا ہے، جو خوش نصیب اس مہینہ کی کلاسوں میں قابل قبول نمرات حاصل کر لیتے ہیں وہ عید فطر کے دن فخر کا میڈل حاصل کر لیتے ہیں۔ اس مختصر تحریر میں ماہ رمضان المبارک اور روزوں کی اہمیت و عظمت کے سلسلے میں چالیس اہم احادیث کا ذکر کیا جا رہا ہے تاکہ ائمہ معصومینؑ کی ان احادیث کی روشنی میں مہمانی خدا کے آداب اور نقوش زندگی کا مطالعہ کر سکیں:

(۱) ماہ رحمت، مغفرت و نجات

رسول اکرمؐ: «... وَ هُوَ شَهْرٌ أَوَّلُهُ رَحْمَةٌ وَ أَوْسَطُهُ مَغْفِرَةٌ وَ آخِرُهُ عِتْقٌ مِنَ النّارِ»۔ "رمضان وہ مہینہ ہے جس کی ابتداء رحمت ہے اور اس کا درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ جہنم سے نجات و آزادی ہے"۔ (بحار الانوار، ج ۹۳، ص ۳۴۲)۔

(۲) ماہ رمضان کی اہمیت

رسول اکرمؐ: «لَوْ يَعْلَمُ الْعَبْدُ ما فی رَمَضانَ لَوَدَّ أَنْ يَكُونَ رَمَضانَ السَّنَةُ»۔ "اگر انسان جان لیتا کہ ماہ رمضان میں کیا (برکت) ہے تو وہ چاہتا ہے کہ پورا سال رمضان ہو"۔ (بحار الانوار، ج ۹۳، ص ۳۴۶)۔

(۳) آسمان کے دروازوں کا کھل جانا

رسول اکرمؐ: «اِنَّ أَبْوابَ السَّماءِ تُفْتَحُ فی أَوَّلِ لَيْلَةٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضانَ وَ لا تُغْلَقُ اِلى آخِرِ لَيْلَةٍ مِنْهُ»۔ "ماہ رمضان کی پہلی رات سے آسمان کے دروازے

کھول دیئے جاتے ہیں اور آخری رات تک یہ بند نہیں ہوتے ہیں"۔ (یعنی دوسری حدیثوں کے مطابق پورے مہینے نزول رحمت و مغفرت کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور بندوں کی دعاؤں کی قبولیت میں کوئی حجاب حائل نہیں رہتا ہے)۔ (بحار الانوار، ج ۹۳، ص ۳۴۴)۔

(۴) جہنم سے حفاظت

رسول اکرمؐ: «أَلصَّوْمُ جُنَّةٌ مِنَ النّارِ» "روزہ جہنم کی آگ کے مقابلے میں سپر ہے" (یعنی روزہ رکھنا انسان کو جنہم کی آگ سے بچانے کا ذریعہ ہے)۔ (الکافی، ج ۴، ص ۱۶۲)۔

(۵) گرمی کا روزہ

رسول اکرمؐ: «أَلصَّوْمُ فِي الْحَرِّ جِهادٌ» "گرمی میں روزہ رکھنا جہاد کرنے جیساہے"۔ (بحارالانوار، ج ۹۶، ص ۲۵۷)۔

(۶) جسموں کی زکات

رسول اکرمؐ: «لِكُلِّ شَيْءٍ زَكاةٌ وَ زَكاةُ الإبْدانِ الصِّيامُ»۔ "ہر چیز کے لئے زکات ہے اور جسموں کی زکات روزہ ہے"۔ (الکافی، ج ۴، ص ۶۲، ح ۳)

(۷) روزوں کا ثواب (۱)

رسول اکرمؐ: «كُلُّ عَمَلِ ابنِ آدَمَ هُو لَهُ، غَيرَ الصِّيامِ هُو لي و أنا أجزِي بِهِ»۔ "اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اولاد آدم کا ہر عمل اس کے لئے ہے سوائے روزے کے اور روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا ثواب و اجر دوں گا"۔ (وسائل الشیعہ، ج ۷، ص ۲۹۴، ح ۱۵، ۱۶، ۲۷و۳۰)۔

(۸) روزوں کا ثواب (۲)

رسول اکرمؐ: «مَنْ مَنَعَهُ الصَّوْمُ مِنْ طَعامٍ يَشْتَهيهِ، كانَ حَقًّا عَلَى اللهِ أَنْ يُطْعِمَهُ مِنْ طَعامِ الْجَنَّةِ وَيُسْقِيَهُ مِنْ شَرابِها»۔ "انسان روزے کی وجہ سے چونکہ اپنی پسندیدہ خوراک سے پرہیز کرتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ پر فرض ہے کہ ایسے شخص کو جنت کے کھانے پینے کی چیزوں سے نوازے"۔ (بحار الانوار، ج ۹۳، ص ۳۳۱)۔

(۹) روزوں کا فائدہ (۱)

پیغمبر اکرمؐ: «علَيكُم بِالصَّومِ؛ فإنّهُ مَحسَمَةٌ للعُرُوقِ و مَذهَبَةٌ للأشَرِ»۔ روزہ رکھو؛ اس لئے کہ روزہ (شہوت کی) رگوں کو نابود کرتا ہے اور نشہ و مستی کو نابود کرتا ہے۔ (کنزالعمال، ح ۲۳۶۱۰)۔

(۱۰) روزوں کا فائدہ (۲)

پیغمبر اکرمؐ: «الصَّومُ يَدُقُّ المَصيرَ و يُذيلُ اللَّحمَ و يُبَعِّدُ مِن حَرِّ السَّعيرِ»۔ روزہ آنتوں کو تنگ کرتا ہے، اضافی چربی کو ختم کرتا ہے اور جہنم کی شدید آگ سے محفوظ رکھتا ہے۔ (کنزالعمال، ح ۲۳۶۲۰)۔

(۱۱) روزہ دار کو بشارت

رسول اکرمؐ: «طُوبی لِمَنْ ظَمَأَ أَوْجاعَ لِلّٰهِ أُولئِکَ الَّذینَ یَشْبعُونَ یَوْمَ الْقِیامَةِ»۔ "خوشخبری ہے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے اللہ کے لئے بھوک اور پیاس برداشت کی (روزہ رکھا)، ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سیراب کرے گا"۔ (وسائل الشیعہ، ج ۷، ص ۲۹۹، ح ۲)۔

(۱۲) مومن کی بہار

رسول اللہؐ: «أَلشِّتاءُ رَبیعُ الْمُؤمِنِ یَطُولُ فیهِ لَیْلُهُ فَیَسْتَعینُ بِهِ عَلی قِیامِهِ وَیَقْصُرُ فیهِ نَهارُهُ فَیَسْتَعینُ بِهِ عَلی صِیامِهِ»۔ "سردی کا موسم مومن کے لئے بہار ہے؛ وہ اس موسم کی طولانی راتوں میں جاگ کر عبادت کرتا ہے اور چھوٹے دنوں میں روزہ رکھ کر فائدہ اٹھاتا ہے"۔ (وسائل الشیعہ، ج ۷، ص ۳۰۲، ح ۳)۔

(۱۳) روزہ داروں کے لئے جنتی دروازہ

رسول اکرمؐ: «اِنَّ لِلْجَنَّةِ بابا یُدْعی الرَّیّانُ لا یَدْخُلُ مِنْهُ اِلاَّ الصّائِمُونَ»۔ "جنت میں ایک دروازہ ہے جس کو «ریّان» کہا جاتا ہے اس دروازے سے صرف روزہ دار لوگ ہی داخل ہوں گے"۔ (وسائل الشیعہ، ج ۷، ص ۲۹۵، ح ۳۱؛ معانی الاخبار، ص ۱۱۶)۔

(۱۴) خلوص کا امتحان

امام علیؑ: «فَرَضَ اللّٰہ ... الصِّیامَ اِبْتِلاءً لِاِخْلاصِ الْخَلْقِ»۔ "اللہ تعالیٰ نے روزے کو واجب فرمایا... تاکہ بندوں کے اخلاص کا امتحان لیا جائے" (نہج البلاغہ، حکمت ۲۵۲)۔

(۱۵) اعضا و جوارح کا روزہ

حضرت فاطمہ زہراؑ: «ما یَصْنَعُ الصّائِمُ بِصِیامِهِ اِذا لَمْ یَصُنْ لِسانَهُ وَ سَمْعَهُ وَ بَصَرَهُ وَ جَوارِحَهُ»۔ "وہ روزہ دار جس نے اپنی زبان، آنکھ، کان اور اعضاء و جوارح کو حرام امور سے نہیں بچایا، اس کا روزہ کس کام کا ہے"۔ (بحارالانوار، ج ۹۳، ص ۲۹۵)۔

(۱۶) بے فائدہ روزہ

امام علیؑ: «کَمْ مِنْ صائِمٍ لَیْسَ لَهُ مِنْ صِیامِهِ اِلاَّ الْجُوعُ وَ الظَّمَأُ وَ کَمْ مِنْ قائِمٍ لَیْسَ لَهُ مِنْ قِیامِهِ اِلاَّ السَّهَرُ وَ الْعِناءُ»۔ "بہت سے ایسے روزہ دار ہیں جن کو ان کے روزے سے بھوک و پیاس کے سواء کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا ہے اور بہت سے ایسے شب زندہ دار ہیں جن کو ان کی نماز سے سوائے جاگنے اور سختی برداشت کرنے کے کچھ نہیں ملتا ہے"۔ (نہج البلاغہ، حکمت ۱۴۵)۔

(۱۷) روزہ نہ رکھنے کا انجام

امام علیؑ: «شَهْرُ رَمَضانَ شَهْرُ اللّٰهِ وَ شَعْبانَ شَهْرُ رَسُولِ اللّٰهِ وَ رَجَبٍ شَهْری»۔ "رمضان اللہ کا مہینہ ہے، شعبان رسول اللہؐ کا مہینہ ہے اور رجب میرا مہینہ ہے"۔ (وسائل الشیعہ، ج ۷، ص ۲۶۶، ح ۲۳)۔

(۱۸) روزہ دار کے لئے انعامات

امام علیؑ: «نَومُ الصائمِ عِبادَةٌ و صَمتُهُ تَسبیحٌ و دُعاؤهُ مُستجابٌ و عَمَلُهُ مُضاعَفٌ. إنّ للصائمِ عِندَ إفطارِهِ دَعوَةً لا تُرَدُّ»۔ روزہ دار کی نیند عبادت ہے، اس کا سکوت تسبیح ہے اور اس کی دعا مقبول اور عمل کا ثواب دوگنا ہے، یقینا روزہ دار افطار کے وقت جو بھی دعا کرت ہے وہ بارگاہ الٰہی سے ردّ نہیں ہوتی ہے (الدعوات، ج ۲۷، ص ۴۵-۴۶)۔

(۱۹) سب سے مفید روزہ

امام علیؑ: «صَومُ النَّفسِ عَنْ لَذّاتِ الدُّنیا أنفَعُ الصِّیامِ» "دنیاوی لذتوں سے نفس کو بچانا سب سے مفید روزہ ہے"۔ (غرر الحکم، ج ۱، ص ۴۱۶، ح ۶۴)۔

(۲۰) روزہ اور تندرستی

امام علیؑ: «اَلصِّیامُ أحَدُ الصِّحَّتَینِ»؛ "روزہ آدھی تندرستی ہے"۔ (غرر الحکم، ح ۱۶۸۳)۔

(۲۱) روزہ کیا ہے؟

امام علیؑ: «أَلصِّیامُ اِجْتِنابُ الْمَحارِمِ کَما یَمْتَنِعُ الرَّجُلُ مِنَ الطَّعامِ وَ الشَّرابِ»۔" روزہ محرمات سے بچنے کا نام ہے جس طرح انسان روزے میں کھانے پینے کی چیزوں سے بچتا ہے"۔ (بحار، ج ۹۳، ص ۲۴۹)۔

(۲۲) سب سے بہتر روزہ

امام علیؑ: « صَوْمُ الْقَلْبِ خَیْرٌ مِنْ صِیامِ اللِّسانِ وَ صَوْمُ اللِّسانِ خَیْرٌ مِنْ صِیامِ الْبَطْنِ» "دل کا روزہ زبان کے روزے سے بہتر ہے اور زبان کا روزہ پیٹ کے روزے سے بہتر ہے"۔ (غرر الحکم، ج ۱، ص ۴۱۷، ح ۸۰)۔

(۲۳) اسلام کی بنیاد

امام محمد باقرؑ: «بُنِیَ الإسلامُ عَلی خَمْسَةِ أَشْیآءَ، عَلَی الصَّلوةِ وَ الزَّکاةِ والْحَجِّ وَ الصَّوْمِ وَ الْوِلایَةِ» "اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر استوار ہے؛ نماز، زکات، حج، روزہ، ولایت"۔ (الکافی، ج ۴، ص ۶۲، ح ۱)۔

(۲۴) دلوں کی تسلیکن

امام باقرؑ: «الصِّیامُ و الحَجُّ تَسکِینُ القُلوبِ»؛"روزہ اور حج، دلوں کی تسکین کا ذریعہ ہے"۔ (الامالی طوسی، ص ۲۹۶، ح ۵۸۲)۔

(۲۵) مستحبی روزے

امام صادقؑ: «مَنْ جآءَ بِالْحَسنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثالِها مِنْ ذلِکَ صِیامُ ثَلاثَةِ أَیّامٍ مِنْ کُلِّ شَهْرٍ»۔ "جو شخص ایک نیک کام انجام دیتا ہے اس کو دس برابر ثواب ملتا ہے اور ان نیک کاموں میں ہر مہینہ تین روزہ رکھنا ہے "۔ (یہ حدیث سورہ انعام کی آیت ۱۶۰ سے مستند ہے)۔ (وسائل الشیعہ، ج ۷، ص ۳۱۳، ح ۳۳)۔

(۲۶) افطار کا ثواب

امام صادقؑ: «مَنْ فَطَرَ صائِما فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ»۔"جو شخص کسی روزہ دار کو افطار دیتا ہے اس

کو اس روزہ دار کی طرح ثواب ملتا ہے"۔ (الکافی، ج ۴، ص ۶۸، ح ۱)۔

(۲۷) روزہ نہ رکھنے کا انجام

امام صادقؑ: «مَنۡ أَفۡطَرَ یَوۡما مِنۡ شَهۡرِ رَمَضانَ خَرَجَ رُوحُ الاۡیمـانِ مِنۡهُ» "جو شخص ماہ رمضان المبارک کے کسی دن (بغیر عذر) روزہ نہیں رکھتا ہے، ایمان کی روح اس کے وجود سے نکل جاتی ہے"۔ (الکافی، ج ۲، ص ۲۷۸۔ وسائل الشیعہ، ج ۷، ص ۱۸۱، ح ۴ و ۵؛ من لایحضرہ الفقہ، ج ۲، ص ۷۳، ح ۹)۔

(۲۸) روزہ کا فلسفہ

امام صادقؑ: «أمّا العِلَّةُ في الصِیام لِیَستَوِيَ بِهِ الغَنيُ و الفَقیرُ؛ و ذلکَ لأنَّ الغَنيَ لَم یَکُن لِیَجِدَ مَسَّ الجُوعِ، فَیَرحَمَ الفَقیرَ؛ لأنَّ الغَنيَّ کُلّما أرادَ شَیئا قَدَرَ علَیهِ، فأرادَ اللهُ عَزَّ و جلَّ أن یُسَوِّيَ بینَ خَلقِهِ و أن یُذِیقَ الغَنيَ مَسَّ الجُوعِ و الألَمِ، لِیَرِقَّ علی الضَّعیفِ ویَرحَمَ الجائعَ»۔ "روزے کا فلسفہ یہ ہے کہ غریب اور امیر دونوں برابری کا احساس کریں؛ اس لئے کہ مالدار شخص بھوک کا احساس نہیں کرتا ہے کہ غریب پر رحم کرے اس لئے کہ مالدار شخص جب بھی کسی چیز کی خواہش کرتا ہے وہ اسے فراہم کرلیتا ہے اسی لئے پروردگار عالم نے روزہ کو رکھا تاکہ مخلوقات میں برابری اور ہمدردی کو ایجاد کرے اور بھوک کی سختی کا احساس مالداروں کو کروائے وہ وہ غریبوں کے لئے ان کے دل میں ہمدردی اور رحم پیدا کرے"۔ (بحار الانوار، ج ۹۶، ص ۳۷۱، ح ۵۳۔ من لایحضرہ الفقیہ، ج ۲، ص ۴۳، ح ۱)۔

(۲۹) آنکھ، کان کا روزہ

امام صادقؑ: «اذا صُمۡتَ فَلۡیَصُمۡ سَمۡعُکَ وَبَصَرُکَ وَشَعۡرُکَ وَجِلۡدُکَ»۔ "جب تم روزہ رکھو تو ضروری ہے کہ تمہاری آنکھ، کان، بال، جلد کا بھی روزہ ہو" یعنی تم گناہوں سے پرہیز کرو"۔ (الکافی، ج ۴، ص ۸۷، ح ۱)۔

(۳۰) روزے سے مدد

امام صادقؑ: «وَ اسۡتَعینُوا بِالصَّبۡرِ وَ الصَّلوةِ» قالَ: أَلصَّبۡرُ الصَّوۡمُ»۔ "قرآن مجید میں جو ارشاد ہوا ہے کہ: صبر اور نماز سے مدد طلب کرو، اس آیت میں صبر سے مراد روزہ ہے"۔ (وسائل الشیعہ، ج ۷، ص ۲۹۸، ح ۳)۔

(۳۱) گرمی میں روزہ کا ثواب

امام صادقؑ: «مَنۡ صامَ لِلّهِ عَزَّوَجَلَّ یَوۡما فی شِدَّةِ الۡحَرِّ فَأَصابَهُ ظَمَأٌ وَكَّلَ اللهُ بِهِ أَلۡفَ مَلَكٍ یَمۡسَحُونَ وَجۡهَهُ وَ یُبَشِّرُونَهُ حَتّی اِذا أَفۡطَرَ»۔ "جو شخص اللہ کے لئے گرمی کی شدّت والے دن میں روزہ رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہزار فرشتوں کو معین کرتا ہے تاکہ اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرے اور اس کو بشارت دیتے رہیں یہاں تک کہ وہ افطار

کرلے"۔ (الکافی، ج ۴، ص ۶۴، ح ۸؛ بحارالانوار، ج ۹۳، ص ۲۴۷)۔

(۳۲) روزہ دار کے لئے دوہری خوشی

امام صادقؑ: «لِلصّائِمِ فَرْحَتانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ اِفْطارِهِ وَ فَرْحَةٌ عِنْدَ لِقاءِ رَبِّهِ»۔ "روزہ دار کے لئے دو طرح کی خوشیاں ہیں: افطار کے وقت اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے وقت"۔ (وسائل الشیعہ، ج ۷، ص ۲۹۰ و ۲۹۴، ح ۶ و ۲۶)۔

(۳۳) افطار کے وقت دعا

امام کاظمؑ: «دَعْوَةُ الصّائِمِ تُسْتَجابُ عِنْدَ اِفْطارِهِ»۔ "افطار کے وقت روزہ دار شخص کی دعا قبول ہوتی ہے"۔ (بحار الانوار، ج ۹۳، ص ۲۵۵، ح ۳۳)۔

(۳۴) قیامت کی یاد

امام رضاؑ: «اِنَّما اُمِرُوا بِالصَّوْمِ لِكَیْ يَعْرِفُوا أَلَمَ الْجُوْعِ وَ الْعَطَشِ فَیَسْتَدِلُّوا عَلی فَقْرِ الْاٰخِرَةِ»۔ "لوگوں کو روزے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ بھوک و پیاس کا احساس کرسکیں اور روزے کے ذریعہ قیامت میں فقر و ضرورت کو یاد کرسکے"۔ (وسائل الشیعہ، ج ۴، ص ۴، ح ۵؛ علل الشرائع، ص ۱۰)۔

(۳۵) قرآن اور ماہ رمضان

امام رضاؑ: «مَنْ قَرَأَ فی شَهْرِ رَمَضانَ ایَةً مِنْ كِتابِ اللهِ كانَ كَمَنْ خَتَمَ الْقُرْانَ فی غَیْرِهِ مِنَ الشُّهُورِ»۔ "جو شخص ماہ رمضان میں قرآن کی ایک آیت کی تلاوت کرے وہ ویسے ہی ہے جیسے اس نے دوسرے مہینوں میں پورے قرآن کی تلاوت کی ہو"۔ (بحارالانوار، ج ۹۳، ص ۳۴۶)۔

(۳۶) تقدیر کی رات

امام صادقؑ: «رَأْسُ السَّنَةِ لَیْلَةُ الْقَدْرِ یُكْتَبُ فیها ما یَكُونُ مِنَ السَّنَةِ اِلَی السَّنَةِ»۔ "سال کا آغاز شب قدر سے ہے اس شب میں پورے سال میں ہونے والے کاموں کو لکھا جاتا ہے"۔ یعنی اعمال کے حساب اور اس کی تقدیر کا کام شب قدر میں ہوتا ہے۔ (وسائل الشیعہ، ج ۷، ص ۲۵۸ ح ۸)۔

(۳۷) شب قدر کی فضیلت و برتری

«كَیْفَ تَكُونُ لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرا مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ؟ قالَ: أَلْعَمَلُ الصّالِحُ فیها خَیْرٌ مِنَ الْعَمَلِ فی أَلْفِ شَهْرٍ لَیْسَ فیها لَیْلَةُ الْقَدْرِ»۔ "حضرت امام جعفر صادقؑ سے سوال ہوا کہ کیسے شب قدر ہزار مہینوں سے افضل و برتر ہے؟ آپؑ نے فرمایا: اس لئے کہ اس شب میں نیک کام کرنا، دوسرے ہزار مہینوں میں انجام پانے والے نیک کام سے بہتر ہے"۔ (وسائل الشیعہ، ج ۷، ص ۲۵۶، ح ۲)۔

(۳۸) اعمال کی تقدیر

امام صادقؑ: «أَلتَّقْدیرُ فی لَیْلَةِ تِسْعَةَ عَشَرَ وَ الْاِبْرامُ فی لَیْلَةِ اِحْدی وَ عِشْرینَ وَ الْاِمْضاءُ فی لَیْلَةِ ثَلاثٍ وَ عِشْرینَ»۔ "اعمال کی تقدیر (امور کے معین

ہونے) کا کام رمضان کی ۱۹ویں شب میں ہوتا ہے۔ ان پر امضاء کا کام ۲۱ویں شب میں ہوتا ہے اور ان کے نافذ اور اجراء ہونے کا کام ۲۳ویں شب میں ہوتا ہے"۔ (وسائل الشیعہ، ج ۷، ص ۲۵۹)۔

(۳۹) شب بیداری

«عَنْ فُضَيلِ بْنِ يَسار قالَ: كانَ أَبُو جَعْفَرٍ عليه السلام اِذا كانَ لَيْلَةُ اِحدى وَعِشْرينَ وَ لَيْلَةُ ثَلاثٍ وَ عِشْرينَ أَخَذَ فی الدُّعاءِ حَتّی يَزُولَ اللَّيلُ فَإذا زالَ اللَّيلُ صَلّی»۔ " حضرت امام محمد باقرؑ کے بارے میں فضیل بن یسار نامی صحابی بیان کرتے ہیں کہ: امام باقرؑ ۲۱ویں اور ۲۳ ویں رمضان المبارک کی شبوں میں دعاؤں میں مشغول رہتے تھے یہاں تک رات تمام ہو جاتی تھی، پھر آپؑ نماز صبح پڑھنے میں مشغول ہوتے تھے"۔ (وسائل الشیعہ، ج ۷، ص ۲۶۰، ح ۴)۔

(۴۰) زکات فطره

امام صادقؑ: «انَّ مِنْ تَمامِ الصَّوْمِ اِعْطاءُ الزّكاةِ يَعْنِی الْفِطْرَةَ كَما أَنَّ الصّلوةَ عَلَی النَّبِيِ صلي الله عليه و آله و سلم مِنْ تَمامِ الصَّلوةِ»۔ "روزے کی تکمیل زکات یعنی فطرہ ادا کرنے سے ہوتی ہے جس طرح پیغمبرؐ اور آپ کی آل پاکؑ پر صلوات پڑھنے سے نماز کامل ہوتی ہے"۔ (وسائل الشیعہ، ج ۶، ص ۲۲۱، ح ۵)۔

جناب خدیجہ ؑ؛ حضرت رسول خدا ؐ کی ہمدرد بیوی

تحریر: محمد علی - طالب علم جامعۃ المصطفیؐ العالمیہ قم ایران

مقدمہ

میاں بیوی کا ایک ایسا رشتہ ہے جو ابتدائے خلقت سے جڑا ہوا ہے جب اللہ نے جناب آدمؑ کو خلق کیا، اس وقت بھی ان کو تنہا نہیں چھوڑا بلکہ ان کے ساتھ حضرت حواؑ کو خلق کیا، جب ان کو زمین پر اتارا تو ساتھ میں اتارا۔ اس رشتہ کو لوگ مختلف نام سے یاد کرتے ہیں، کوئی ہمسفر کہتا ہے تو کوئی زندگی کا دو پہیہ اور اس کے دوسرے بھی نام ہیں۔ مگر حقیقت میں دیکھا جائے تو انسان کی زندگی میں اس کی بیوی کا بہت اہم نقش ہوتا ہے۔ اگر خدا کے فضل سے بیوی اچھی مل گئی تو انسان کو سکون اور اس کے ترقی کے لئے زمین ہموار کرتی ہے اور اگر بد اخلاق، بری صفات کی حامل مل گئی تو اس شخص کی زندگی برباد ہو جایا کرتی ہے اس کی زندگی میں آنے والے سکون بھی دور سے ہاتھ دکھا کر واپس چلے جاتے ہیں۔ اس میں کوئی شرط نہیں ہے کہ اچھے آدمی ہوں گے تو ان کو اچھی بیوی ملے گی یا برا آدمی ہوگا تو اس کو بری بیوی ملے گی۔ تاریخ میں ایسے بہت سے واقعات ہیں جیسے حضرت نوح اور لوط کی بیویاں جبکہ یہ دونوں اپنے وقت کے نبی تھے دوسری طرف فرعون کی بیوی آسیہ۔ ہمارے حضرت رسول خداؐ کی بھی کئی بیویاں تھیں تاریخ نے سب کی خصوصیات اور پیغمبر اکرمؐ کے ساتھ ان کے برتاؤ و سلوک سب کو ثبت کیا ہے۔

اس مضمون میں حضرت خدیجہؑ کی پیغمبر اکرمؐ کے ساتھ ہمدردی کے بارے میں بیان کیا جائے گا لیکن اس سے پہلے مختصر طور حضرت خدیجہؑ کی زندگی پر روشنی ڈالی جا رہی ہے:

جناب خدیجہ ؑ کا مختصر تعارف

جناب خدیجہؑ قریش کی محترم خاتون تھیں، جو پیغمبر اسلامؐ کے وجود دنیوی سے پندرہ سال پہلے، یعنی بعثت سے ۵۵ سال پہلے دنیا میں تشریف لائیں، آپ کی ولادت کا تو صحیح علم نہیں ہے لیکن آپ کی وفات بعثت کے دسویں سال رمضان میں ہوئی اور آپ کی پینسٹھ ۶۵ سال کی عمر تھی۔ آپ کا سلسلہ نسب والدہ کی جانب سے حضرت رسول خداؐ سے آٹھویں جد امجد سے ملتا ہے لہذا جناب خدیجہؑ کی والدہ گرامی فاطمہ بنت زائدہ بن اصم بن رواحہ بن حجر بن عبد بن معیص بن عامر بن لوئی بن غالب۔ والد کی طرف سے تین پشتوں کے بعد رسول خداؐ سے ملتا ہے؛ قصی بن کلاب،

اسد، خویلد، خدیجہؑ۔ اس لیے ایک دوسرے کو چچا کے بیٹے اور چچا کی بیٹی پکارا کیا کرتے تھے (سیرہ ابن ہشام، ج۱، ص ۱۸۷-۱۸۹؛ طبقات ابن سعد، ج۸، ص ۱۴)۔

آپ کے خاندان کے تمام افراد اہل علم تھے، اور خانہ کعبہ کے محافظ بھی، جس زمانہ میں یمن کا بادشاہ (تبع) حجر اسود کو اکھاڑ کر یمن لے جانے کا ارادہ کیا، تو آپ کے والد جناب خویلد، حجر اسود کے حفاظت کے لیے اٹھ کھڑے ہوے اور ان کی جد و جہد کے نتیجہ میں وہ بادشاہ اپنے ارادہ سے منصرف ہوا۔ اسی طرح جناب خدیجہؑ کے جد، اسد بن عبد العزی بھی پیمان حلف الفصول کے نمایاں اراکین میں سے ایک تھے۔

آپ ؑ کی شخصیت

ابن ہشام لکھتے ہیں کہ جناب خدیجہؑ ایسی شریف اور مالدار خاتون تھیں جو تجارت کیا کرتی تھیں اور بہت سے لوگوں کو اپنے پاس نوکر کے طور پر رکھی ہوئیں تھیں، جو ان کے پاس اجرت پر کام کرتے تھے، جو اس زمانے میں بالخصوص جزیرہ عرب میں کوئی آسان کام نہیں تھا کیونکہ ایک خاتون کا تجارت کرنا اس زمانے میں جب عورتیں معاشرتی حقوق سے محروم تھیں اور سنگدل مرد حضرات اپنی بے گناہ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے، تو جناب خدیجہؑ کے بارے میں کہنا پڑے گا کہ آپ کو اللہ نے غیر معمولی ذہانت، شخصیت، نفسیاتی استقلال اور ذہین بنایا ہے۔ دوسرے لفظوں میں کہا جائے کہ حضرت خدیجہؑ کی ذات، اس عرب کے بے رحم مردوں کے منھ پر ایک طماچہ تھی جو لڑکی کو وہ باعث ننگ و عار سمجھتے تھے۔ جناب خدیجہؑ نے بتا دیا کہ وہ عرب کی ملکہ بھی ہو سکتی ہے کہ جس کے ٹکڑوں پر ہزاروں زندگی گزراتے ہوں۔

ابن سحاق سے روایت ہے کہ جناب خدیجہؑ نہایت شریف مالدار تاجرہ بی بی تھیں۔ دوسرے لوگ ان کے مال سے تجارت کرتے تھے اور وہ منافع میں سے کچھ ان کو دیدیا کرتی تھیں۔ قریش ایک تاجر قوم تھی۔ جب جناب خدیجہؑ کو پیغمبرؐ کی صداقت اور امانت داری اور نیک کردار کا علم ہوا تو انہوں نے حضرت رسول خداؐ سے درخواست کی کہ آپ میرا مال تجارت کے طور پر شام لے کر جائیں، میں اب تک دوسرے تاجروں کو منافع میں سے جس قدر حصہ دیا کرتی تھی اس سے زیادہ آپ کو دوں گی۔

جب حضرت رسول خداؐ کی ان سے شادی ہوگئی تو جناب جبرئیل رسول خداؐ پر نازل ہوتے تھے تو عرض کرتے تھے کہ: اے اللہ کے رسولؐ۔ اللہ کا سلام جناب

خدیجہؑ کو پہنچا دیجیئے اور ان سے کہہ دیجئے کہ اللہ نے آپ کے لیے بہشت میں ایک خوبصورت محل تیار کیا ہے۔

اس کا مطلب ہے کہ جناب خدیجہؑ، جہاں دنیاوی اعتبار سے صاحب کمال تھیں وہیں معنوی اعتبار سے بھی صاحب فضیلت تھیں اور یہ ایک کرامت سے کم نہیں ہے کہ صاحب ثروت ہوتے ہوئے خدا کے سلام کے لائق تھیں

جناب خدیجہ رسولؐ کی نگاہ میں

یہ بات بھی بہت اہم ہے کہ شوہر اپنی بیوی سے کتنا راضی ہے جو اس کے باتوں سے اور اس کے کردار سے معلوم ہوتا ہے جب ہم اپنے رسول خداؐ کے زندگی کو تاریخ کے دامن میں دکھتے ہیں تو ہمیں ملتا ہے حضرت خدیجہؑ وہ پہلی خاتون تھیں کہ جنھوں نے حضرت رسول خداؐ سے پہلے عقد کیا اور آنحضرت نے جناب خدیجہؑ کی زندگی میں دوسری شادی نہیں کی، حضرت رسول خداؐ نے اور جناب خدیجہؑ نے ایک پیار و محبت سے بھرپور گھرانے کی بنیاد رکھی۔ آپ کی فضیلت کے حوالے سے شیخ صدوق نقل کرتے ہیں کہ امام صادقؑ فرماتے ہیں: تَزَوَّجَ رَسُولُ اللهِ بِخَمْسَ عَشَرَ اِمْرَأَةً اَفْضَلُهُنَّ خَدِيجَةُ بِنْتُ خُوَيلَدٍ۔ رسول اللہؐ نے پندرہ خواتین سے شادی کی، ان میں سے سب سے زیادہ بافضیلت خدیجہ بنت خویلدؑ تھیں۔

حضرت رسولؐ کی نظر میں جناب خدیجہؑ کی ایک خاص عزت و احترام تھا جو باقی سے ان کو جدا کرتا ہے۔ اور یہ بات قابل غور ہے تمام مسلمانوں کے لیے۔

رسول اکرمؐ نے متعدد حدیثوں میں آپ کی فضیلت کو بیان فرمایا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کس قدر صاحبِ فضیلت ہیں۔ آپؐ فرماتے ہیں: خَيرُ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ مَرْيمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَ آسِيةُ بِنْتُ مُزَاحِمٍ وَ خَدِيجَةُ بِنْتُ خُوَيلِدٍ وَ فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ؛ کائنات کی بہترین خواتین مریم بنت عمران، آسیہ بنت مزاحم، خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت محمدؐ ہیں۔

ایک اور حدیث میں آپ کو جنتی خواتین میں سے شمار کیا ہے۔ رسول اکرمؐ فرماتے ہیں: أَفْضَلُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ أَرْبَعٌ خَدِيجَةُ بِنْتُ خُوَيلِدٍ وَ فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ وَ مَرْيمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَ آسِيةُ بِنْتُ مُزَاحِمٍ امْرَأَةُ فِرْعَوْن؛ چار عورتیں جنت کی بہترین خواتین ہیں: خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمدؐ، مریم بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم زوجہ فرعون۔ ایک اور جگہ فرمایا: يَا خَدِيجَة اَنتَ خَيرُ اُمَّهَاتِ الْمُؤمِنِينَ وَ

اَفضَلَهُنَّ؛ اے خدیجہ! تم امہات المؤمنین میں سب سے بہتر اور با فضیلت ہو۔

حضرت خدیجہ ؑ، عائشه کی نگاہ میں

ہم اس بات کو بہت کم سنتے ہیں کہ ایک آدمی کی دو بیویاں اور ان دونوں میں اتحاد ہو اور ایک دوسرے کی تعریف کرتی ہوں، عائشہ بھی حضرت رسول خداؐ کی بیوی ہے مگر حضرت خدیجہؑ میں اور ان میں بڑا فرق ہے۔

تاریخ اسلام کی آپ پہلی خاتون ہیں جنھوں نے حضرت رسول خداؐ کی دعوت اسلام قبول کیا اور نماز ادا کی، اور آپ پیغمبر اسلامؐ کی بیویوں میں واحد زوجہ ہیں جنھوں نے اپنے تمام اموال کو بغیر کسی قید و شرط کے انحضرت کے اختیار میں دے دیا۔

اگر اس صفت کو بھی ان سے مخصوص کیا جائے تو کوئی اشکال نہیں ہوگا کیونکہ آپ حضورؐ کی وہ زوجہ ہیں جن سے جناب فاطمہ زہراؑ کی ولادت ہوئی اور نسل کی بقا کا ذریعہ بنیں کہ جن سے گیارہ امام معصومؑ دنیا میں آئے اور اسلام کی بقا کا باعث بنے ہیں۔

خود جناب خدیجہؑ کی فضیلت کا عائشہ گواہی دیتی ہیں:

هشام عن ابيه عن عائشه قالت ماغرت على احد من نساء النبى، ماغرت على خديجة، و ما رايتها، لكن كان النبى ؐ يكثر ذكرها وربما ذبح الشاة ثم يقطعها اعضاء ثم يبعثها فى صدائق خديجه فربما قلت: كانه لم يكن فى الدنيا امراة الا خديجه فيقول: انها كانت، و كانت، ؛ كان لى منها ولد۔(صحيح البخارى، حديث نمبر۳۸۱۸۔ صحيح مسلم، ح۶۲۸۰)۔

ہشام اپنے باپ کے ذریعہ ام المومنین عائشہ سے روایت کرتے ہیں کہ ازواج نبی میں سے مجھے کسی زوجہ سے اتنی غیرت نہیں آئی جتنا ام المومنین خدیجہؑ سے، جبکہ میں نے ان کو دکھا بھی نہیں تھا۔ حضرت رسول خداؐ، ام المومنین خدیجہؑ کا اکثر ذکر کیا کرتے تھے اور بعض موقع پر آپ بکری ذبح کرتے اور اس کے اعضاء کاٹ کر، ام المومنین خدیجہؑ کی سہلیوں کو بھیج دیا کرتے تھے۔ بعض وقت میں کہہ دیا کرتی تھی کہ کیا دنیا میں خدیجہؑ کے سوا کوئی اور عورت نہیں ہے، تو آپ جواب میں فرماتے تھے کہ صرف وہی تھی، صرف خدیجہؑ تھی جس سے میرے لیے اولاد ہوئی ہے۔

لکھنے والے نے جناب عائشہ، کا جو ادب بیان کیا ہے وہ ان سے عقیدہ کی بنیاد پر بیان کیا ہے ورنہ وہ عائشہ، جناب خدیجہؑ سے حسد کی بناپر ان کے لیے ہلاکت کا لفظ استعمال کیا ہے۔

ہشام کہتے ہیں کہ حضرت محمدؐ جناب خدیجہؑ سے بہت محبت کیا کرتے تھے اور آپ کا احترام بھی، اپنے کاموں میں ان سے مشورہ لیا کرتے تھے، جناب خدیجہؑ ایک نیک اور روشن فکر خاتون تھیں۔

جناب خدیجہ ؑ کا ایمان لانا

ایمان دو طریقہ سے لایا جاسکتا ہے: ایک تقلیدی ایمان ہوتا ہے کہ جس کے بارے میں خدا قرآن میں فرمارہا ہے اس وقت کہ جب جناب ابراہیمؑ نے اپنے والد اور اپنی قوم والوں سے کہا کہ ان بتوں کی تم لوگ کیا عبادب کرتے ہو؟ تو ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ان بتوں کی عبادت کرتے ہوئے پایا ہے تو ہم بھی اپنے اجداد کی تقلید کرتے ہوئے ان بتوں کی عبادت کرتے ہیں۔

دوسرے تحقیقی ایمان ہوتا ہے، حقیقی ایمان یہی ہوتا ہے اس کے بارے میں ارشارہ ہوتا ہے کہ آسمان و زمین کی خلقت رات و دن کا آنا عقل مندوں کے لیے بہترین دلیلیں ہیں۔ وہ لوگ جو اٹھتے اور بیٹھتے ہمیشہ زمین و آسمان کی خلقت میں غور و فکر کرتے ہیں میرے پروردگار تو اس کو بے کار خلق نہیں کیا ہے تو پاک و پاکیزہ ہے ہم کو آگ کی عذاب سے بچا۔

جب جناب خدیجہؑ، رسولؐ کو تجارت کے لیے بھیجا تو اپنے ایک غلام کو بھی ساتھ میں بھیجا اور اس کو اس بات پر معمور کیا کہ احوال آنحضرتؐ کی آکر ہم کو اطلاع دے، ادھر جب رسولؐ کا قافلہ شام پہنچا تو ایک راہب کی خانقاہ کے قریب ایک درخت کے سایہ میں آرام کے لیے رکے تو اس خانقاہ سے راہب باہر نکل کر میسرہ (غلام) سے پوچھا کہ اس درخت کے سایہ میں کون ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ وہ اہل حرم کا ایک قریشی ہے تو راہب نے کہا کہ اس درخت کے نیچے سوائے اللہ کے نبی کے اور کوئی آج تک نہیں ٹھہرا ہے۔ دوسرا مقام وہ ہے کہ جب دوپہر اور سخت گرمی کے وقت آپ اونٹ پر سوار تھے اور دوفرشتے آپ پر سایہ کئے ہوئے تھے۔ (میں نے یہاڑ پر انتخاب طبری کی عبارت لایا ہوں کہ جس میں دوفرشتے کا ذکر ہے یہاں پر بعض کتابوں میں بادل کے سایہ کا ذکر ہے جو عقل کے قریب ہے ورنہ جناب خدیجہؑ کے غلام میسرہ کو کہاں سے اس کا علم ہوتا کہ دوفرشتے سایہ کیے ہوئے ہیں)۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے آنحضرتؐ کے بارے میں پہلے تحقیق کیا پھر رسول اللہؐ اور نبی مانا پھر ایمان لائیں اور شادی کیا۔ اور یہ ایمان کا بہترین درجہ ہوتا ہے جو تحقیق کر کے لایا جاتا ہے اور

اس وجہ سے یہ نمایاں فرق ہے آپ میں اور دوسروں میں۔

تاریخ میں ملتا ہے کہ جب حضرت رسولؐ غار حرا سے گھر کی طرف تشریف لارہے تھے، تو اس وقت عجیب حالات ہوگئے تھے، آپ جہاں سے گذرتے اور جس راستے سے گذرتے تو راستے کے تمام پتھر اور درخت یہی کہتے اے خدا کے رسول آپ پر میرا اسلام ہو۔

جب رسولؐ گھر میں تشریف لائے تو گھر نورانی ہوگیا۔ چاروں طرف روشنی پھیل گئی۔ تو جناب خدیجہؑ نے پوچھا یہ کیسا نور ہے؟

تو پیغمبرؐ نے جواب میں فرمایا:

هذا نور النبوة، قولی لا اله الا الله محمد رسول الله۔

یہ نور، نور نبوت ہے تم بھی کہو کہ اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اس کے رسول ہیں۔ تو جناب خدیجہؑ نے کہا کہ میں بہت پہلے سے اس حقیقت سے آگاہ تھی۔ اس وقت جناب خدیجہؑ نے کلمہ پڑھا اور دین اسلام قبول کیا۔

جناب خدیجہؑ اسلام لائیں یا اسلام کا اظہار کیا اگر ان کی زندگی کو دیکھیں تو، اول وہ خود حضرت رسولؐ کے گھرانے سے ہیں اور والد و والدہ دونوں طرف سے جناب خدیجہؑ، کا نسب آپ حضورؐ سے ملتا ہے۔ اس لحاظ سے آپ بھی حضرت ابراہیمؑ کی اولاد سے ہیں۔

آپ حضرت رسولؐ سے اس وقت شادی کی جب خود آنحضرت کی عمر پچیس ۲۵ سال کی تھی اور حضرت رسولؐ رسالت کا اعلان چالیس ۴۰ کی عمر میں کیا اس حساب سے جناب خدیجہؑ ۱۵ سال آپ کی خدمت میں رہی ہیں آپ حضورؐ کے اخلاق حسنہ اور ان کی پر فیض زندگی سے اپنے وجود کو جناب خدیجہؑ نے منور کیا۔ تو کہنا بہتر ہوگا اعلان رسالت کے ساتھ ساتھ آپ نے بھی اعلان اسلام کیا۔

حضرت امام حسینؑ لوگوں کے دلوں کی بیداری اور اپنی پہچان کے لئے اپنی ماں حضرت زہراؑ اور اپنی نانی حضرت خدیجہؑ کی طرف اشارہ فرمایا: **انشدکم الله هل تعلمون ان امی فاطمة الزهراء بنت محمد؟! قالوا: اللهم نعم... انشدکم الله هل تعلمون ان جدتی خدیجة بنت خویلد اول نساء هذه الامة اسلاما؟! قالوا: اللهم نعم۔** میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں، کیا تم جانتے ہو کہ میری ماں فاطمہ زہراؑ، بنت محمدؐ ہیں؟ انہوں نے کہا: جی ہاں۔... تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں، کیا تم جانتے ہو کہ میری نانی خدیجہ بنت

خویلد ہیں، جو خواتین میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والی خاتون ہیں؟ انہوں نے کہا: جی ہاں۔

جناب عائشہ کہتی ہیں کہ رسولؐ جناب خدیجہؑ کی اتنی اچھائی بیان کرتے تھے کہ ایک دن مجھ سے رہا نہ گیا تو میں نے رسول اللہؐ کی خدمت میں عرض کی۔ یارسول اللہؐ! خدیجہؑ تو ایک بوڑھی عورت تھیں اللہ نے ان سے بہتر ازواج آپ کو عطا کی ہے۔ عائشہ کی اس بات پر رسول اللہؐ غضبناک ہوئے اور فرمایا: خدا کی قسم! اللہ نے ان سے بہتر کوئی عورت مجھے عطا نہیں کی ہے۔خدیجہؑ اس وقت ایمان لائیں جب دوسرے کفر پر تھے ۔ انھوں نے میری اس وقت تصدیق کی جب دوسرے مجھے جھٹلایا کرتے تھے۔ انھوں نے بلا عوض اپنا مال و دولت میرے اختیار میں دیا جب کہ دوسرے مجھ کو اس سے محروم رکھے تھے۔ اللہ نے میری نسل ان کی اولاد سے چلائی۔ جناب عائشہ کہتی ہیں کہ یہ سن کر میں نے پکا ارادہ کر لیا کہ آج کے بعد سے کبھی بھی ان کی برائی نہیں کروں گی۔

جناب خدیجہ ؑ کی اللہ کے رسول ؐ سے شادی

جناب خدیجہؑ اس زمانہ میں قریش میں سب سے زیادہ نجیب شریف اور دولت مند خاتون تھیں اور ان سے قوم کے بہت سے بزرگ لوگ شادی کے متمنی تھے۔ جب آپ نے رسول خداؐ سے شادی کی خواہش ظاہر کی تو آپ نے اپنے چچا حضرات سے اس کا ذکر کیا، حضرت حمزہ بن عبدالمطلب، آپ کے چچا کے ہمراہ خویلد بن اسد کے پاس گئے اور ان کے سامنے شادی کا پیغام دیا، جس پر وہ حضرت خدیجہؑ کی رسولؐ سے شادی کے لئے راضی ہوگئے۔

بعض لوگوں کا یہ شیوہ ہے کہ وہ ہر چیز کو مادی نگاہ سے دیکھتے ہیں، انھوں نے حضورؐ کی شادی کو بھی اسی مادی نگاہ سے دیکھا ہے۔ جناب خدیجہؑ کو شادی کے لیے تجارتی لحاظ سے کسی مالدار شخص سے شادی کرنے کی ضرورت تھی، اس لئے انھوں نے پیغمبرؐ سے شادی کے لیے پیغام بھیجا۔ دوسری طرف آنحضرتؐ یتیم اور نادار تھے ان کو دولت کی ضرورت تھی اس لیے شادی کے پیغام کو قبول کر لیا۔ جبکہ عمر کے لحاظ سے دونوں میں کافی فاصلہ تھا۔

ا۔ لیکن اگر اس شادی کو کسی خاص مقصد کے نظر سے دیکھا جائے تو یہ ایک مقدس شادی کہلائی جائے گی۔ تاریخ اسلام میں دیکھیں تو پیغمبرؐ کی پوری زندگی ہمیں زہد و تقوی و معنوی اقدار سے بھرپور نظر آتی ہے جو اس بات کی دلیل ہے، کہ آنحضرتؐ کی نگاہ میں دنیوی مال و دولت اور جاہ و حشم کی کوئی قدر قیمت

نہ تھی۔ آپ نے جناب خدیجہؑ کی دولت کو کبھی بھی اپنی ذاتی آرام و آسائش کی خاطر استعمال نہیں کیا ہے۔

۲۔ اس شادی کی پیشکش خود حضرت خدیجہؑ نے کیا تھا نہ حضور پاک نے۔ دوسرے یہ کہ حضورؐ کے ملک شام سے آنے کے بعد، جب غلام نے سفر کے واقعات حضرت خدیجہؑ کو بتایا تو ان کے دل میں امین قریش لیے جذبہ محبت بڑھ گیا کہ جس کا سر چشمہ حضرتؐ کے کمالات نفسانی اور اخلاقی فضائل تھے۔

۳۔ پیغمبرؐ سے شادی کے بعد جناب خدیجہؑ نے کبھی تجارت کے لیے نہیں بھیجا کہ جو دولت میں اضافہ کا باعث ہو۔ اس کے برعکس جناب خدیجہؑ نے اپنا تمام مال حضرتؐ کے حوالے کر دیا جو حضورؐ نے غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیا۔

۴۔ جب جناب خدیجہؑ نے آنحضرتؐ سے شادی کیا تو، مکہ کی عورتیں ان سے سخت نارض ہو گئیں، جناب خدیجہؑ کے گھر آنا جانا بند کر دیا، دوسری عورتوں کو بھی اجازت نہیں دیتی تھیں کہ وہ ان کے گھر آئیں، ان کی ناراضگی اس بات پر تھی کہ جناب خدیجہؑ کے پاس مال و دولت ہوتے ہوئے کیوں یتیم عبد اللہ حضرت محمدؐ سے شادی کیں، ان کی نارض گی اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ جب بعثت کے پانچوں سال جناب فاطمہ زہراؑ کی ولادت باسعادت ہوئی تو اس وقت شادی کے ۲۰ سال گذر گئے تھے، اس وقت جناب خدیجہؑ مکہ کی عورتوں کو پیغام بھیجا اور اپنی مدد کی استدعا کی لیکن ان سب کی طرف سے گستاخانہ جواب ملا: اے خدیجہؑ! تم نے ہماری مخالفت کی اور ہماری باتوں کو کوئی اہمیت نہیں دی اور یتیم عبد اللہ سے شادی کی ہم تمہاری مدد کو نہ آئیں گے، اس طرح ان کی دعوت کو ٹھکرا دیا۔

(یہاں پر ایک بات کہنا چاہتا ہوں کہ ان سختوں کا تحمل اس وقت ہو سکتا ہے جب ایمان اور حقانیت اس کے لیے واضح ہو چکا ہو اور جب جب ایمان آ جاتا ہے تو اس میں دولت کی کوئی جگہ نہیں رہتی ہے، دوسرے لفظوں میں کہوں کہ جب ایمان آ جاتا ہے تو مال و دولت کو آسانی سے خدا کی راہ میں خرچ کیا جا سکتا ہے)۔

جناب خدیجہ ؑ بہترین زوجہ

اس بات کو دنیا نے تجربہ کیا ہے کہ انسان کی کامیابی میں خود ان کی عورتوں کا کردار نمایاں رہا ہے، اگر کسی آدمی کو کامیاب دیکھیں، تو تقریبا اس کی کامیابی میں ایک عورت کا ہاتھ رہا ہے وہ چاہے ماں ہو یا اس کی بہن یا خود بیوی۔ اگر اس کے برعکس دیکھیں تو بیوی کا زیادہ کردار رہا ہے۔ آپ خود تاریخ میں ان

کرداروں کو دیکھ سکتے ہیں۔ ہمارے رسولؐ، آخری رسول ہیں، ان کا مقام بھی تمام انبیاء سے بلند ہے اور ان کی ذمہ داری بھی زیادہ ہے لہٰذا ان کو ایسی عورت سے شادی کرنا ضروری تھا کہ جس کا مزاج آپ کے مزاج سے ملتا ہو اور وہ آپ کے اغراض و مقاصد سے متفق ہو، وہ آپ کے ساتھ راہ جہاد کی سختیوں کو طے کرسکے دشواریوں اور مشکلوں میں صبر کرسکے اس زمانہ میں ایسی کوئی عورت نہیں تھی جو محمدؐ کے لئے مناسب ہو۔ جو آنحضرت کے ان سنگین ذمداریوں میں مددگار ثابت ہو، اور اسلام، توحید کی نشر میں رسول اللہؐ کا ساتھ دے تاکہ پیغمبرؐ، اسلام کو ایک بلند مقام تک پہنچا سکیں۔ اس مہم کے لیے جناب خدیجہؑ سے بہتر کوئی نہیں تھا، جناب خدیجہؑ حسن وجمال، عزت و شرافت اور مال کے لحاظ سے قریش کی تمام عورتوں پر فوقیت رکھتی تھیں۔ قریش کے بڑے بڑے لوگوں کی طرف سے آپ کے لیے پیغام آئے۔ لیکن جناب خدیجہؑ نے سب کے پیغامات کو ٹھکرادیا۔ انہوں نے اپنے لیے آنحضرتؐ کو پسند کیا، کیونکہ وہ آپ کی شخصیت کا مطالعہ کر چکی تھیں۔ لہٰذا خود جناب خدیجہؑ نے شادی کی پیشکش کی تھیں، یہاں پر اختلاف پایا جاتا ہے کہ جناب خدیجہؑ آپ سے شادی سے پہلے دوشادیاں کرچکی تھیں اور آپ کے کئی بچے تھے، یہ کہاں تک حقیقت ہے قابل تحقیق ہے۔

حضرت خدیجہؑ و خدمت اسلام

میں عرض کرچکا ہوں کہ جناب خدیجہؑ، عرب کی امیر ترین خاتون تھیں ان کے تجاری قافلے تجارت کے لیے یمن، شام جایا کرتے تھے، رسولؐ سے شادی کے بعد جناب خدیجہؑ نے اپنی تمام دولت، دین اسلام کی تبلیغ میں خرچ کردیا۔ اس وقت رسولؐ کے پاس دولت وثروت نہیں تھی تو جناب خدیجہؑ کی دولت ہدیہ کے طور پر ملی جس کو خداوند عالم اپنی طرف نسبت دے رہا ہے اور فرماتا ہے: **ووجدک عائلا فاغنی**۔ پروردگار نے آپ کو بے ثروت پایا تو بے نیاز کردیا۔

سوال یہ ہے کہ جناب خدیجہؑ نے اپنی دولت کو اسلام کے لیے خرچ کیا تو کس مقام پر کیا؟

تو تاریخ نے ان اہم مقام کو گنوایا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ حضرت رسولؐ، جناب خدیجہؑ کی دولت سے قرض داروں کے قرض ادا کر کے ان کو قرض سے آزاد کروایا، فقیروں اور یتیموں اور بے سہاروں کی کفالت کی۔

۲۔ ایک مرتبہ جناب حلیمہ سعدیہ پیغمبرؐ کے پاس تشریف لائیں اور قحط سالی کی شکایت کی تو جناب

خدیجہؑ نے چالس بکریاں اور اونٹ حلیمہ سعدیہ کو بخش دیا۔

۳۔ جب مکہ کے مشرکین نے مسلمانوں کو بائیکاٹ کیا تھا اور معاشی پابندی لگادی تھی، تو شعب ابی طالب میں مسلمانوں کی غذا اور دوسری ضروریات کے لیے جناب خدیجہؑ کی ہی دولت کام آئی تھی۔

روایت میں ہے: **وانفق ابوطالب و خدیجه جمیع مالهما۔**

حضرت ابوطالبؑ اور جناب خدیجہؑ اپنا تمام مال اسلام کی حفاظت اور جو محاصرہ میں ہیں ان کے کھانے لیے خرچ کیا۔

جب جناب خدیجہؑ نے پیغمبرؐ سے شادی کیا اور اسلام قبول کیا تو جو دشمنان اسلام تھے انھوں نے جناب خدیجہؑ سے بھی معاملات کرنا چھوڑ دیا اور تجاری تعلقات کو منطقع کردیا اور آپ کے مال و اسباب کو بھی تباہ کردیا اس کے باوجود جناب خدیجہؑ نے کبھی بھی محرومیت کا احساس نہیں کیا، بلکہ وہ اسی بات پر خوش تھیں کہ میں سب سے پہلے رسولؐ کی رسالت کی گواہی دی۔

شاید کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ جناب خدیجہؑ کی دولت سے اسلام پھیلا ہے لوگوں کو پیسہ دے دے کر لوگوں سے اسلام قبول کروایا گیا ہے اور لوگ دولت کی لالچ میں اسلام قبول کئے ہیں؟۔

تو ایسا نہیں ہے، بلکہ جناب خدیجہؑ نے اپنی دولت کو حضرت رسول خداؐ کے اختیار میں دیا تھا، تو اس لیے نہیں کہ معاذ اللہ لوگوں کو رشوت کے طور پر دیا ہو اور وہ اسلام قبول کرلئے ہوں؛ اول اتنا بھی دولت نہیں تھی کہ لوگوں کا ایمان خریدا جاتا بلکہ اس زمانہ کے اعتبار سے زیادہ تھا، اس دولت سے لوگوں کے زخموں پر مرہم رکھا گیا ہے، بھوکوں کو کھانا کھلایا گیا ہے نہ لوگوں کے ایمان خریدے گئے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ اسلام کی نامور خواتین، مصطفیٰ آبادی، الحاج محمد ایوب نقوی، ناشر پبلیکیشنز کراچی پاکستان، سال مئی ۲۰۰۱۔

۲۔ کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ، علی بن عیسی اردبلی، ناشر بنی ہاشمی، جلد ۲، چاپ اول ۱۳۸۱۔

۳۔ انتخاب طبری، سید صفدر حسین نجفی، ناشر امامیہ پبلیکیشنز لاہور، پاکستان

۴۔ ابن اثیر، علی بن محمد، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، جلد ۵،

۵۔ الاستیعاب فی معرفۃ الصحابہ، ابو عمر یوسف القرطبّی، ناشر دار لجیل، بیرت، چاپ اول ۱۴۱۲، جلد ۲۔

۶ ۔ ال انوار الساطعه من الغراء الطاہراه، شیخ غالب السیلاوی، ناشر: محلاتی، چاپ سال ۱۳۸۳ھ۔
۷ ۔ نظام مصطفیٰ بزبان زوجہ مصطفیٰ، علامہ اثری جاڑوی، جلد ۲، سال ۲۰۰۸،
۸ ۔ ام المومنین سیدہ خدیجہ الکبری، محمدی ا شتھاردی، محمد، ترجمہ انجینئر سید علی نقوی، ناشر ادارہ منہاج الصالحین لاہور، سال ۲۰۰۹۔
۹ ۔ شیخ محمد بن حسن طوسی، امالی، ص ۴۶۳، ناشر: دارالثقافہ، سال چاپ: ۱۴۱۴ھ ق
۱۰۔ تاریخ اسلام سیرت رحمۃالعالمین، اہل قلم کی ایک جماعت، انتشارات انصاریان قم، سال ۹۱۹۸، ص ۳۷
۱۱۔ سیرہ نبوی، مطہری، ص ۲۲۲۔

حضرت امام مہدی (عج)، رمضان المبارک کی دعاؤں میں

تحریر: سید تعلیم رضا جعفری - طالبعلم جامعۃ المصطفیؐ العالمیہ قم ایران

مقدمہ

دعا اور عبادت انسان کی روح پر گہرا اثر ڈالتی ہے اور اسے بلندی عطا کرتی ہے۔ انسان دعا کے ذریعے اللہ کی رحمت کو پانے کے لیے زیادہ توجہ اور اہلیت حاصل کرتا ہے۔ دعا ایک قسم کی عبادت، عاجزی اور بندگی ہے جیسا کہ تمام عبادات کے تربیتی اثرات ہوتے ہیں، دعا کے بھی ایسے ہی اثرات ہیں۔ اسی لیے قرآن و احادیث میں اس پر بہت زور دیا گیا ہے۔ بندوں کی دعاؤں کا اللہ کی طرف سے قبول ہونا ایک الٰہی سنت ہے جس کے بارے میں قرآن مجید کی بہت سی آیات میں صراحت آئی ہے؛ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

«وَ إِذا سَأَلَکَ عِبادی عَنّی فَإِنّی قَریبٌ أُجیبُ دَعْوَةَ الدّاعِ إِذا دَعانِ» (بقرہ، آیت ۱۸۶)۔

"اور جب میرے بندے تم سے میرے بارے میں پوچھیں تو کہہ دو کہ میں قریب ہوں، دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب بھی وہ مجھے پکارے"۔

یقینی طور پر دعا کا قبول ہونا سوال اور طلب کرنے پر موقوف ہے، جب تک سوال نہیں کیا جاتا، جواب نہیں آتا ہے۔ یہاں سوال اور دعا کرنے والا بندہ ہے اور جواب دینے والا اللہ ہے جو بندے کی حاجت قبول کرتا ہے اور اپنے فضل سے عطا کرتا ہے۔

بندے کو اپنی حاجت اور مطالبے کو بھی اسی کی بارگاہ میں پیش کرنا چاہئے جو کریم، رحیم، غفور اور ودود ہے۔ اس کا کرم لامحدود، اس کی نعمتیں بے پایاں ہیں اور کوئی سائل اس در سے خالی نہیں لوٹتا ہے۔

ماہ رمضان المبارک دعا کے لیے ایک بہترین وقت ہے۔ پیغمبر اکرمؐ خطبہ شعبانیہ میں فرماتے ہیں:

«...وَ أَيّامُهُ أَفْضَلُ الْأَيّامِ وَ لَيالِيهِ أَفْضَلُ اللَّيالِي وَ ساعَاتُهُ أَفْضَلُ السّاعَاتِ هُوَ شَهْرٌ دُعِيتُمْ فِيهِ إِلَى ضِيَافَةِ اللهِ وَ جُعِلْتُمْ فِيهِ مِنْ أَهْلِ كَرَامَةِ اللهِ أَنْفَاسُكُمْ فِيهِ تَسْبِيحٌ وَ نَوْمُكُمْ فِيهِ عِبادَةٌ وَ عَمَلُكُمْ فِيهِ مَقْبُولٌ وَ دُعَاؤُكُمْ فِيهِ»۔ (وسائل الشیعہ، ج ۱۰، ص ۳۱۳، حدیث: ۱۳۴۹۴)۔

"اس مہینے کے دن بہترین دن، راتیں بہترین راتیں، اور لمحات بہترین لمحات ہیں۔ یہ وہ مہینہ ہے

جس میں تمہیں اللہ کی ضیافت و مہمانی کی دعوت دی گئی ہے اور اس مہینے میں تمہیں اللہ کے صاحبان کرامت بندوں میں سے قرار دیا گیا ہے۔ اس مہینے میں تمہاری سانسیں تسبیح، تمہاری نیند عبادت، تمہارے اعمال مقبول اور تمہاری دعائیں مستجاب ہیں۔۔۔"۔

دعا اور امام مہدی (عج)

دعاؤں کے ذریعہ جس طرح معبود اور بندے کا رابطہ محکم و مضبوط ہوتا ہے۔ اسی طرح انہیں دعاؤں کے وسیلے سے الٰہی حجتوں اور رہبروں کی معرفت و شناخت کا زمینہ بھی فراہم ہوتا ہے۔ خاص طور پر دور حاضر میں حضرت امام مہدی (عج) کے سلسلے میں دعاوں کی خصوصی تاکید ہے۔ بہت سی حدیثوں میں امام زمانہ (عج) کے لئے دعاؤں کی تاکید آئی ہے جیسا کہ خود امام فرماتے ہیں: «أکثِروا الدُّعاءَ بِتَعجیلِ الفَرَجِ فَإنَّ ذٰلِکَ فَرَجُکُم»؛ (کمال الدّین، ص ۴۸۵)۔

" ظہور میں جلدی کے لئے بہت زیادہ دعا کرو؛ اس لئے کہ میرے ظہور میں جلدی سے تمہارے لئے آسانیاں ہیں"۔

ائمہ معصومینؑ کی ہدایات اور فرمائشات کی روشنی میں حضرت امام مہدی (عج) سے منسوب دعائیں اور ان میں آپ کا تذکرہ بہت زیادہ ہے اور شیعہ انہیں پر عمل کرتے ہوئے برسوں سے اپنے امام زمانہ (عج) کے ظہور کی آرزو اور حجت خدا کی ایک نگاہِ کرم کے اشتیاق کا اظہار کرتے آئے ہیں۔ آیت اللہ صافی گلپایگانی لکھتے ہیں: "امام کے دیدار کی خواہش، ان کی جدائی پر گریہ، ان کی موجودگی کے فیض سے محرومی کا اظہار، فرج کی تعجیل اور ان کے انقلابی اقدامات کا ذکر ایک بہترین و نیک سنت ہے جس پر شیعہ ہمیشہ کاربند رہے ہیں"۔ (فروغ ولایت در دعای ندبہ، آیت اللہ صافی، ص ۱۵)۔

اگرچہ ہر وقت اور ہر زمانے میں امام زمانہ (عج) کی طرف متوجہ رہنا ضروری ہے اور اپنی دعاؤں کبھی بھی امام وقت کو فراموش نہیں کرنا چاہئے لیکن رمضان المبارک کے روحانی و معنوی ماحول جہاں دعاؤں کی قبولیت کے امکانات بہت زیادہ ہے اور حالات بھی موزوں ہوتے ہیں لہٰذا اس مہینے کے اوقات اور حالات میں امام زمانہ (عج) کی طرف خصوصی توجہ رکھنا ضروری ہے اور رمضان المبارک کی مختلف دعاؤں میں امام زمانہ (عج) کا خصوصی ذکر اور آپ سے منسوب و مرتبط متعدد دعائیں بھی خاص اہتمام کا بیان کرتی ہیں؛ زیر نظر مقالے میں مختصر طور پر ماہ رمضان المبارک کی

دعائیں میں حضرت امام مہدی (عج) کے تذکرے کا ذکر کیا جارہا ہے تاکہ اس مسئلہ کی اہمیت کا ذکر کیا جاسکے اور قارئین کرام کے لئے اس مسئلہ کی طرف متوجہ ہونے کا سامان فراہم کیا جاسکے۔

۱. امام زمانہ (عج) کے فرج کی تعجیل کی دعا

رمضان المبارک کی دعاؤں میں ظہور امام (عج) میں جلدی کی درخواست ایک اہم موضوع ہے جس کا متعدد دعاؤں میں تذکرہ آیا ہے؛ یہاں چند موارد کا ذکر کیا جارہا ہے:

الف) رمضان المبارک کے چھٹی شب کی دعا میں اس طرح آیا ہے کہ:

«اللَّهُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَ إِلَيْکَ الْمُشْتَکَى...وَ أَسْأَلُکَ يَا رَحْمَانُ أَسْأَلُکَ أَنْ تُصَلِّيَ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ آلِ مُحَمَّدٍ وَ أَنْ تُعَجِّلَ فَرَجَ آلِ مُحَمَّدٍ وَ فَرَجَنَا بِفَرَجِهِمْ وَ تَقَبَّلَ صَوْمِي .... .. أَنْتَ حَسْبِي وَ نِعْمَ الْوَكِيلُ»

یعنی خدایا! تمام حمد تیرے لئے ہے اور تیری ہی بارگاہ میں حرف شکایت لے کر آیا ہوں ... اے صاحب رحمت! تجھ سے طلب کرتا ہوں کہ محمدؐ و آل محمدؐ پر صلوات نازل فرمایا اور آل محمدؐ کے لئے (امام مہدی (عج) کے ظہور کے ذریعہ) آسانی فرمااور ان کے ظہور میں جلدی کے ذریعہ ہمارے لئے آسانی فرمایا اور میرے روزے کو قبول فرما... خدایا تو ہی میرے لئے کافی ہے اور بہترین وکیل ہے۔ (الاقبال الاعمال، سید ابن طاووس، ج ا، ص ۱۲۶)۔

(نوٹ: مکمل دعا اور ترجمہ کے لئے متعلقہ کتب کی طرف مراجعہ کیا جائے یہاں صرف شاہد مثال عبارت کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے تاکہ مقالے کو طولانی ہونے سے بچایا جاسکے)۔

ب) رمضان المبارک کے ساتویں دن کی دعا میں اس طرح آیا ہے کہ:

«اللَّهُمَّ أَنْتَ ثِقَتِي حِينَ يَسُوءُ ظَنِّي بِأَعْمَالِي وَ أَنْتَ أَمَلِي عِنْدَ انْقِطَاعِ الْحِيَلِ مِنِّي... يَا كَاشِفَ كَرْبِ أَيُّوبَ وَ سَامِعَ صَوْتِ يُونُسَ الْمَكْرُوبِ وَ فَالِقَ الْبَحْرِ لِبَنِي إِسْرَائِيلَ وَ مُنْجِيَ مُوسى وَ مَنْ مَعَهُ أَجْمَعِينَ أَسْأَلُکَ أَنْ تُصَلِّيَ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ آلِ مُحَمَّدٍ وَ أَنْ تَجْعَلَ لِي مِنْ أَمْرِي فَرَجاً وَ مَخْرَجاً وَ يُسْراً بِرَحْمَتِکَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ».

یعنی: ... خدایا! تجھ سے طلب کرتا ہوں کہ محمدؐ و آل محمدؐ پر صلوات نازل فرما اور میرے معاملات میں آسانی و راحت اور گشائش فرما، اپنی رحمت کے ذریعہ سے۔ اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے۔ (الاقبال الاعمال، سید ابن طاووس، ج ا، ص ۱۳۱)۔

ج) رمضان المبارک کے آٹھویں دن کی دعا میں اس طرح آیا ہے کہ:

«اللّهُمَّ إنّي لا أَجِدُ مِنْ أَعْمالِي عَمَلًا أَعْتَمِدُ عَلَيْه... وَ أَسْأَلُکَ أَنْ تُصَلِّيَ عَلى مُحَمَّدٍ وَ آلِ مُحَمَّدٍ، وَ تُعَجِّلَ فَرَجَ آلِ مُحَمَّدٍ وَ فَرَجِي مَعَهُمْ، وَ فَرَجَ كُلِ مُؤْمِنٍ وَ مُؤْمِنَةٍ، بِرَحْمَتِکَ يا أَرْحَمَ الرّاحِمِينَ»۔

«یعنی خدایا! ... تجھ سے طلب کرتا ہوں کہ محمدؐ و آل محمدؐ پر صلوات نازل فرما اور قائم آل محمدؐ کے ظہور میں جلدی فرما اور ان کے ظہور میں جلدی کے ذریعہ میرے لئے اور ہر مومن و مومنہ کے لئے آسانی فرما، اپنی رحمت کے ذریعہ سے۔ اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے»۔ (الاقبال الاعمال، سید ابن طاووس، ج۱، ص ۱۳۳)۔

د) رمضان المبارک کے اکیسویں دن سے مربوط حضرت امام صادقؑ کی ایک دعا میں آیا ہے کہ:

«... وَ أَسْأَلُکَ بِجَمِيعِ ما سَأَلْتُکَ وَ ما لَمْ أَسْأَلْکَ مِنْ عَظِيمِ جَلالِکَ، ما لَوْ عَلِمْتُهُ لَسَأَلْتُکَ بِهِ، أَنْ تُصَلِّيَ عَلى مُحَمَّدٍ وَ أَهْلِ بَيْتِهِ، وَ أَنْ تَأْذَنَ لِفَرَجِ مَنْ بِفَرَجِهِ فَرَجُ أَوْلِيائِکَ وَ أَصْفِيائِکَ مِنْ خَلْقِکَ وَ بِهِ تُبِيدُ الظّالِمِينَ وَ تُهْلِكُهُمْ، عَجِّلْ ذلِکَ يا رَبَّ الْعالَمِينَ...»۔

"یعنی... میں تجھ سے ہر اس چیز کا سوال کرتا ہوں جو میں نے تجھ سے مانگا ہے اور ہر اس چیز کا جو میں نے تجھ سے نہیں مانگا، تیری عظیم عظمت کے واسطے سے۔ جس کا اگر مجھے علم ہوتا تو میں اس کے مطابق سوال کرتا ہوں کہ محمدؐ و آل محمدؐ پر صلوات نازل فرما۔ اور اس کو (ظہور کی) اجازت عطا فرما جس کے ظہور سے مخلوقات میں تیرے اولیاء و منتخب بندوں کے لئے آسانی ہو اور اس کے ذریعہ ظالموں کی نابودی اور ہلاکت ہو۔ اے تمام عالمین کے پروردگار اس کے ظہور میں جلدی فرما..."۔ (الاقبال الاعمال، سید ابن طاووس، ج۱، ص۱۲۱)۔

مذکورہ دعاؤں میں محمدؐ و آل محمدؐ پر صلوات و رحمت کے مطالبہ کے ساتھ ظہور قائم آل محمدؐ میں تعجیل کا مطالبہ کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ماہ رمضان المبارک کی شبانہ دعاؤں میں ہمارا اہم وظیفہ ہے کہ ہم امام زمانہ (عج) کے ظہور کی دعا کریں جن کے ظہور سے اللہ کے اولیاء و اوصیاء اور تمام بندوں کے لئے آسانی اور گشائش ہے۔

۲. دعائے تجدید عہد ولایت

ماہ رمضان المبارک کے تیرہویں دن کی دعا میں تمام ائمہؑ اور امام مہدی (عج) کے عہد ولایت کی تجدید کے بارے میں اس طرح ذکر ہوا ہے کہ:

«اللَّهُمَّ إِنِّي أَدِينُكَ بِطَاعَتِكَ وَ وَلَايَتِكَ وَ وَلَايَةِ مُحَمَّدٍ نَبِيِّكَ وَ وَلَايَةِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ حَبِيبِ نَبِيِّكَ وَ وَلَايَةِ الْحَسَنِ وَ الْحُسَيْنِ سِبْطَيْ نَبِيِّكَ وَ سَيِّدَيْ شَبَابِ أَهْلِ جَنَّتِكَ وَ أَدِينُكَ يَا رَبِّ بِوَلَايَةِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ وَ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ وَ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ وَ مُوسَى بْنِ جَعْفَرٍ وَ عَلِيِّ بْنِ مُوسَى وَ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ وَ عَلِيِّ بْنِ مُحَمَّدٍ وَ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ وَ سَيِّدِي وَ مَوْلَايَ صَاحِبِ الزَّمَانِ أَدِينُكَ يَا رَبِّ بِطَاعَتِهِمْ وَ وَلَايَتِهِمْ وَ بِالتَّسْلِيمِ بِمَا فَضَّلْتَهُمْ رَاضِياً غَيْرَ مُنْكِرٍ وَ لَا مُسْتَكْبِرٍ (مُتَكَبِّرٍ) عَلَى مَا (معنی) أَنْزَلْتَ فِي كِتَابِكَ ...»؛ "خدایا! میں تیری اطاعت اور ولایت کے عقیدے کا اظہار کرتا ہوں اور تیرے نبی حضرت محمدؐ کی ولایت اور تیرے حبیبؐ کے دوست امیر المومنینؑ اور دونوں نواسوں، جنت کے سرداروں حضرات حسنؑ و حسینؑ کی ولایت کے عقیدے کا اظہار کرتا ہوں۔ خدایا! اسی طرح علیؑ ابن حسینؑ اور محمدؑ بن علیؑ اور جعفرؑ بن محمدؑ اور موسیٰؑ بن جعفرؑ اور علیؑ بن موسیٰؑ اور محمدؑ بن علیؑ اور علیؑ بن محمدؑ اور حسنؑ بن علیؑ اور میرے مولا و سردار صاحب الزمان (عج) کی ولایت کے عقیدہ کا اظہار کرتا ہوں۔ اور اے میرے پروردگار! میں ان سب کی ولایت اور اطاعت کو قبول کرتا ہوں اور تو نے جو ان کو دوسروں پر جو فضیلت دی ہے اس کو پوری طرح خوشی سے تسلیم کرتا ہوں اور اس سلسلے میں جو نے اپنی کتاب میں نازل کیا ہے اس بارے میں کسی طرح کا کوئی انکار اور تکبر نہیں ہے..."۔ (الاقبال الاعمال، سید ابن طاووس، ج۱، ص ۱۴۴)۔

مذکورہ دعا کے پڑھنے کی تاکید اور خاص طور پر موجودہ زمانے میں حضرت امام مہدی (عج) کے حوالے سے اس دعا کا پڑھنا صرف ظاہری ورد کے لئے نہیں ہے بلکہ عہد ولایت و اطاعت کی تجدید اور ہر سال اس بات کی یاددہانی کے لئے ہے کہ ولایت اور اطاعت صرف خدا اور رسولؐ کی کرنا ہے اور اس کے بعد ائمہ معصومینؑ کی ولایت اور اطاعت فرض ہے بقیہ تمام تر ولایت اور اطاعت سب انہیں کے فرامین اور ارشادات کی روشنی میں ہیں۔

۳. امام مہدی (عج) کی نصرت اور بلاؤں سے حفاظت اور ان کے ذریعہ ظالموں کے خاتمہ کی دعا

تجدید عہد اور اعلان ولایت و اطاعت کے حوالے سے مذکورہ تیرہویں دن کی دعا کے دوسرے حصہ میں امام زمانہ (عج) کی نصرت اور بلاؤں سے حفاظت کے حوالے سے مزید اس طرح آیا ہے کہ:

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ آلِ مُحَمَّدٍ وَ ادْفَعْ عَنْ وَلِيِّكَ وَ خَلِيفَتِكَ وَ لِسَانِكَ وَ الْقَائِمِ بِقِسْطِكَ

وَ الْمُعَظِّمِ لِحُرْمَتِکَ وَ الْمُعَبِّرِ عَنْکَ وَ النَّاطِقِ بِحُکْمِکَ وَ عَیْنِکَ النَّاظِرَةِ وَ أُذُنِکَ السَّامِعَةِ وَ شَاهِدِ عِبَادِکَ وَ حُجَّتِکَ عَلَى خَلْقِکَ وَ الْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِکَ وَ الْمُجْتَهِدِ فِي طَاعَتِکَ وَ اجْعَلْهُ فِي وَدِيعَتِکَ الَّتِي لَا تَضِيعُ وَ أَيِّدْهُ بِجُنْدِکَ الْغَالِبِ وَ أَعِنْهُ وَ أَعِنْ عَنْهُ وَ اجْعَلْنِي وَ وَالِدَيَّ وَ مَا وَلَدَا وَ وُلْدِي مِنَ الَّذِينَ يَنْصُرُونَهُ وَ يَنْتَصِرُونَ بِهِ فِي الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةِ اشْعَبْ بِهِ صَدْعَنَا وَ ارْتُقْ بِهِ فَتْقَنَا اللَّهُمَّ أَمِتْ بِهِ الْجَوْرَ وَ دَمْدِمْ بِمَنْ نَصَبَ لَهُ وَ اقْصِمْ رُءُوسَ الضَّلَالَةِ حَتَّى لَا تَدَعَ عَلَى الْأَرْضِ مِنْهُمْ دَيَّاراً»۔

(الاقبال الاعمال، سید ابن طاووس، ج۱ ص۱۴۴)۔

خدایا! محمدؐ و آل محمدؐ پر رحمتیں نازل فرما، اور تیرے ولی و جانشین، تیری باتوں کا بیان کرنے والے، تیرے عدل کو قائم کرنے والے، تیری حرمت کو عظیم سمجھنے والے، تیری طرف سے بولنے والے، تیرے احکام کی ترجمانی کرنے والے، تیری بینا آنکھ، تیرا گوش گذار کان، تیرے بندوں پر گواہ، تیری مخلوق پر حجت، تیری راہ میں جہاد کرنے والے، اور تیری اطاعت میں کوشش کرنے والے (حجت دوران حضرت مہدی (عج)) کو ہر خطرے سے محفوظ رکھ۔ اسے اپنی اس امانت میں رکھ جو کبھی ضائع نہیں ہوتی، اپنی غالب فوجوں کے ساتھ اس کی مدد و نصرت فرما، اور اس سے ہر شر سے دور رکھ۔ مجھے، میرے والدین کو، ان کی اولاد کو، اور میری اولاد کو ان لوگوں میں شامل فرما جو دنیا اور آخرت میں اس کی مدد کرنے والے ہوں۔ خدایا! اپنے اس حجت کے ذریعہ ہماری منتشر اور مختلف صفوں میں اتحاد قائم کردے۔ ہمارے درمیان موجود شگاف کو ختم کر دے۔ اے پروردگار! اس کے ذریعے ظلم کو مٹادے، اس کے دشمنوں کو تباہ کر دے، اور گمراہی کے سربراہوں کو نیست و نابود کر دے یہاں تک کہ زمین پر ان میں سے کوئی باقی نہ رہے۔ (الاقبال الاعمال، سید ابن طاووس، ج۱ ص۱۴۴)۔

امام مہدی (عج) کی نصرت اور آپ کے ذریعہ ظالموں کے خاتمہ کے سلسلے میں خود رمضان المبارک کی دوسری دعاؤں میں بھی ذکر آیا ہے جن کو یہاں اختصار کے سبب بیان نہیں کیا گیا ہے لیکن ان تمام دعاؤں کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ امام مہدی (عج) کی نصرت کے لئے دعاؤں کے ذریعہ اس بات کے لئے ہدایت دی گئی ہے کہ ظہور کی تیاری شیعہ اسلامی تعلیمات میں خاص اہمیت رکھتی ہے اور شیعوں کو خود بھی اس کے لئے زمینہ فراہم کرتے رہنا چاہئے۔

۴. دعائے افتتاح اور امام مہدی (عج)

دعائے افتتاح اللہ کی حمد و ثناء سے شروع ہوتی ہے اور اس کے بعد صحیح راستے کا انتخاب اور خدا کی تائید کی ضرورت، اللہ کی رحمت اور غضب کا حکمت آمیز ہونا، خوف و رجاء کی ضرورت، توفیق عبادت کا در حقیقت اللہ کی طرف سے منت و احسان ہونا، بندہ کا گناہ کا ارتکاب کرنے کے باوجود اللہ کی فیض رسانی کا جاری رہنا، اللہ کی نعمتوں کی یادآوری، نعمتوں کا ہمیشہ اللہ کے ہاں باقی رہنا اور خدا کی نعمتوں کے بارے میں غور فکر کی ضرورت جیسے موضوعات کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

دوسرے فقروں میں دعا کی استجابت میں تاخیر، تکّبر اور خدا سے بے رخی، خدا کے ساتھ انس اور مناجات کی قدر و قیمت اور رحمتِ خداوندی کے دروازے مسلسل کھلے رہنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یوں عرض کرتے ہیں: خدا کبھی بھی اپنے بندے کو اپنے سے دور نہیں کرتا اور اپنی رحمت کا دروازہ اس پر بند نہیں کرتا ہے اور کبھی بھی اسے اپنی رحمت سے نایوس نہیں کرتا ہے۔

دعائے افتتاح کے آخری فقرات جن پر بہت زیادہ تاکید ہوئی ہے اسلامی حکومت کے قیام کے اشتیاق پر مشتمل ہیں، جو حضرت ولی عصر(عج) کے سائے میں قائم ہوگی۔ دعا کے ان فقرات میں اسلامی حکومت کے قیام کے اہداف اور اس کے حوالے سے ہمارے وظایف بیان ہوئے ہیں، اور سابقہ امتوں سے سبق حاصل کرنے کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ رسول اللہؐ اور ائمہؑ کی ذوات مقدسہ اللہ کی عمدہ ترین اور قابل قدر ترین نعمتیں ہیں۔

دعائے افتتاح کو سید بن طاؤس نے اقبال الاعمال میں، شیخ طوسی نے مصباح المتہجد میں، کفعمی نے مصباح اور البلد الامین میں، مجلسی نے زاد المعاد میں اور شیخ عباس قمی نے مفاتیح الجنان میں نقل کیا ہے؛ "اس دعا کے راوی حضرت بقیۃ اللہ (عج) کے نائب خاص محمد بن عثمان بن سعید ہیں۔ اگرچہ یہ دعا بظاہر امام معصومؑ سے نقل نہیں ہوئی لیکن چونکہ اس کے راوی ابو جعفر محمد بن عثمان بن سعید عمری ہیں جو امام زمانہ (عج) کے نائبین خاص میں سے ہیں، اور وہ اس دعا کی قرائت کا پابندی سے اہتمام کرتے رہے ہیں، لہٰذا یہ اطمینان حاصل کرنا زیادہ مشکل نہیں ہے کہ یہ دعا امام زمانہ (عج) کی جانب سے یا دیگر معصومینؑ سے انہیں موصول ہوئی ہے" (ترجمہ و شرح دعای افتتاح، مہدوی کنی، ج، ص ۲)۔

اس دعا کے اہم موضوعات جو حضرت امام مہدی (عج) سے مربوط ہے، ان کا ذکر کیا جارہا ہے:

الف) محمد وآل محمد پر رحمت نازل فرما

«اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَ رَسُولِكَ وَ أَمِينِكَ وَ صَفِيِّكَ وَ حَبِيبِكَ... وَ الْخَلَفِ الْهَادِي الْمَهْدِيِّ حُجَّتِكَ عَلَى عِبَادِكَ وَ أُمَنَائِكَ فِي بِلَادِكَ صَلَاةً كَثِيرَةً دَائِمَةً»

"دعائے افتتاح کے اس حصہ میں پروردگار متعال کی حمد و ثنا کے بعد پیغمبر اکرمؐ سے لے کر تمام ائمہ معصومینؑ پر نام لے کر صلوات و سلام بھیجا گیا ہے جس کے آخر میں امام مہدی (عج) پر بھی صلوات و سلام بھیجا گیا ہے اور ان معصوم ہستیوں کو اللہ کی طرف سے تمام بندوں پر حجت اور عالم ہستی کے لئے امین قرار دیا گیا ہے۔ اور آخر میں پھر سے بہت زیادہ اور دائمی رحمت کے نزول کی دعا کی گئی ہے"۔

ب) قیام عدل کے لئے فرشتوں سے نصرت فرما

«اللَّهُمَّ وَ صَلِّ عَلَى وَلِيِّ أَمْرِكَ الْقَائِمِ الْمُؤَمَّلِ وَ الْعَدْلِ الْمُنْتَظَرِ وَ حُفَّهُ (وَ احْفُفْهُ) بِمَلَائِكَتِكَ الْمُقَرَّبِينَ وَ أَيِّدْهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ»

"اے معبود! اور درود بھیج اپنے ولی امر پر جو قائم ہیں اور جن کے آنے کی امید ہے اور اس کے عدل پھیلانے والے ہیں جس کا انتظار کیا جارہا ہے، انہیں اپنے مقرب فرشتوں کی حفاظت میں قرار دے اور روح القدس کے ذریعے ان کی تائید فرما، اے جہانوں کے پروردگار"۔

ج) کتاب ودین کی دعوت دینے والا قرار دے

«اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ الدَّاعِيَ إِلَى كِتَابِكَ وَ الْقَائِمَ بِدِينِكَ اسْتَخْلِفْهُ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفْتَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِ مَكِّنْ لَهُ دِينَهُ الَّذِي ارْتَضَيْتَهُ لَهُ أَبْدِلْهُ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِ أَمْناً يَعْبُدُكَ لَا يُشْرِكُ بِكَ شَيْئاً»۔

«اے معبود! ان کو (امام مہدی (عج))، اپنی کتاب کی طرف بلانے والا اور اپنے دین کو قائم کرنے والا قرار دے۔ انہیں روئے زمین پر اپنا خلیفہ قرار دے جس طرح کہ ان سے پہلے گذرنے والوں کو تو نے خلیفہ قرار دیا، جو دین تو نے ان کے لئے پسند کیا ہے»۔

دعائے افتتاح کے ان فقرات میں تین اہم باتوں کا ذکر کیا گیا ہے کہ:

۱۔ امام مہدی (عج) ہی ہیں جو آخری زمانے میں اللہ کی کتاب کی طرف حقیقی دعوت دینے والے ہیں، کتاب الہی کی تعلیمات کو صحیح طریقے سے پہنچانے والے ہیں۔

۲۔ امام مہدی (عج) ہی ہیں جو دین کو قائم کرنے والے ہیں یعنی کوئی بھی اس زمانے میں اللہ کے حقیقی

دین کو قائم کرنے والا نہیں ہے اگر امام مہدی (عج) کے علاوہ کوئی بھی حقیقی دین الٰہی کے وارث ہونے کا دعویٰ کرے اور ائمہ اطہارؑ اور امام مہدی (عج) کی ہدایات کے برخلاف اپنی جانب سے دعویٰ کرے اور اپنی طرف دعوت دے تو وہ جھوٹا ہے اور اللہ کے حقیقی اور سچے دین کے بجائے لوگوں کو گمراہی میں مبتلا کر رہا ہے۔

۳۔ امام مہدی (عج) ہی ہیں جو اس زمانے میں اللہ کی جانب سے گذشتہ معصومینؑ کی طرف حقیقی خلیفہ و حجت خدا ہیں۔ آپ کے علاوہ خلافت کے تمام دعوے دار جھوٹے ہیں۔

د) عزت و نصرت و فتح عطا فرما

«اَللّٰهُمَّ أَعِزَّهُ وَ أَعْزِزْ بِهِ وَ انْصُرْهُ وَ انْتَصِرْ بِهِ وَ انْصُرْهُ نَصْراً عَزِيزاً وَ افْتَحْ لَهُ فَتْحاً يَسِيراً وَ اجْعَلْ لَهُ مِنْ لَدُنْكَ سُلْطَاناً نَصِيراً»

اے معبود! اسے معزز فرما اور اس کے ذریعے مجھے عزت دے، اسکی مدد کر اور اس کے ذریعے میری مدد فرما اسے باعزت مدد دے اور اسے آسانی کے ساتھ فتح دے اور اسے اپنی طرف سے قوت والا مددگار عطا فرما۔

ہ) دین و سنت کا کامل ظہور فرما

«اَللّٰهُمَّ أَظْهِرْ بِهِ دِينَكَ وَ سُنَّةَ نَبِيِّكَ حَتَّى لاَ يَسْتَخْفِيَ بِشَيْءٍ مِنَ الْحَقِّ مَخَافَةَ أَحَدٍ مِنَ الْخَلْقِ»

"اے معبود! اس کے ذریعے اپنے دین اور اپنے نبیؐ کی سنت کو ظاہر فرما یہاں تک کہ حق میں سے کوئی چیز مخلوق کے خوف سے مخفی و پوشیدہ نہ رہ جائے"۔

و) حکومت کریمہ کا قیام فرما

«اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَرْغَبُ إِلَيْكَ فِي دَوْلَةٍ كَرِيمَةٍ، تُعِزُّ بِهَا الْإِسْلاَمَ وَ أَهْلَهُ وَ تُذِلُّ بِهَا النِّفَاقَ وَ أَهْلَهُ، وَ تَجْعَلُنَا فِيهَا مِنَ الدُّعَاةِ إِلَى طَاعَتِكَ، وَ الْقَادَةِ إِلَى سَبِيلِكَ، وَ تَرْزُقُنَا بِهَا كَرَامَةَ الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةِ»۔

"اے معبود! ہم ایسی برکت والی حکومت کی خاطر تیری طرف رغبت رکھتے ہیں جس سے تو اسلام و اہل اسلام کو قوت دے اور نفاق و اہل نفاق کو ذلیل کرے۔ اور اس حکومت میں ہمیں اپنی اطاعت کیطرف بلانے والے اور اپنے راستے کیطرف رہنمائی کرنے والے قرار دے اور اس کے ذریعے ہمیں دنیا و آخرت کی عزت دے"۔

و) مادی و معنوی ترقی عطا فرما

«اَللّٰهُمَّ مَا عَرَّفْتَنَا مِنَ الْحَقِّ فَحَمِّلْنَاهُ وَ مَا قَصُرْنَا عَنْهُ فَبَلِّغْنَاهُ اَللّٰهُمَّ الْمُمْ بِهِ شَعَثَنَا وَ اشْعَبْ بِهِ صَدْعَنَا وَ ارْتُقْ بِهِ فَتْقَنَا وَ كَثِّرْ بِهِ قِلَّتَنَا وَ أَعْزِزْ (أَعِزَّ) بِهِ ذِلَّتَنَا وَ أَغْنِ بِهِ عَائِلَنَا وَ اقْضِ بِهِ عَنْ مُغْرَمِنَا (مَغْرَمِنَا) وَ اجْبُرْ بِهِ فَقْرَنَا وَ سُدَّ بِهِ خَلَّتَنَا وَ يَسِّرْ بِهِ عُسْرَنَا وَ بَيِّضْ بِهِ وُجُوهَنَا وَ فُكَّ بِهِ أَسْرَنَا وَ أَنْجِحْ بِهِ طَلِبَتَنَا وَ أَنْجِزْ بِهِ مَوَاعِيدَنَا وَ اسْتَجِبْ بِهِ دَعْوَتَنَا وَ أَعْطِنَا بِهِ سُؤْلَنَا وَ

بَلّغْنَا بِهِ مِنَ الدُّنيا وَ الْآخِرَةِ آمَالَنَا وَ أَعْطِنَا بِهِ فَوْقَ رَغْبَتِنَا يا خيرَ الْمَسْئُولِينَ وَ أَوْسَعَ الْمُعْطِينَ اشْفِ بِهِ صُدُورَنَا وَ أَذْهِبْ بِهِ غَيظَ قُلُوبِنَا وَ اهْدِنَا بِهِ لِمَا اخْتُلِفَ فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِکَ إِنَّکَ تَهْدِي مَنْ تَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ وَ انْصُرْنَا بِهِ عَلَى عَدُوِّکَ وَ عَدُوِّنَا إِلَهَ الْحَقِّ (الْخَلْقِ) آمِينَ»۔

اے معبود! جس حق کی تو نے ہمیں معرفت عطا کی ہے اسکے تحمل کی توفیق عطا فرما اور جس سے ہم قاصر رہے ہیں، اس تک پہنچادے۔ اے معبود ان (امام مہدی (عج)) کے ذریعے ہم بکھرے ہوؤں کو جمع کردے۔ ان کے ذریعے ہمارے جھگڑوں اور اختلافات ختم کردے۔اور ان کے ذریعے ہماری پریشانی دور فرما۔اسکے ذریعے ہماری قلّت کو کثرت سے اور ذلت کو عزت میں بدل دے۔ اسکے ذریعے ہمیں نادار سے توانگر بنا اور اس کے ذریعے ہمارے قرض ادا کر دے اور اسکے ذریعے ہمارے فقر کو دور فرما۔ اور اس کے ذریعے ہماری حاجتیں پوری کر دے اور اس کے ذریعے تنگی کو آسانی میں بدل دے اور اس کے ذریعے ہمارے چہرے روشن کردے اور اس کے ذریعے ہمارے قیدیوں کو رہائی عطا کردے۔ اس کے ذریعے ہماری حاجات کو قبول فرمااور اس کے ذریعے ہمارے وعدوں کو پورا فرما۔ اسکے ذریعے ہماری دعائیں قبول فرما۔ اور اس کے ذریعے ہمارے سوال و مطالبات کو پورا کردے۔ اس کے ذریعے دنیا و آخرت میں ہماری امیدیں پوری فرمااور ہمیں ہماری درخواست سے زیادہ عطا فرما۔ اے سوال کئے جانے والوں میں بہترین۔اور اے سب سے زیادہ عطا کرنے والے، اس کے ذریعے ہمارے سینوں کو شفا دے اور ہمارے دلوں سے بغض و کینہ مٹا دے۔ جن حق باتوں میں ہمارے درمیان اختلاف ہے اپنے حکم سے اس کے ذریعے ہمیں ہدایت فرما۔ بے شک تو جسے چاہے سیدھے راستے کی طرف لے جاتا ہے لہٰذا اس کے ذریعے اپنے اور ہمارے دشمن پر ہمیں غلبہ عطا فرما۔ آمین۔

مذکورہ دعا کے فقرات میں بارگاہ خداوندی میں بہت سی مادی و معنوی چیزوں کو مطالبہ کیا گیا ہے اور یقینی طور پر ان چیزوں کا مکمل حصول امام مہدی (عج) کے ذریعہ، آپ کے ظہور کی صورت میں ممکن ہے لہٰذا اس دعا میں ان مادی و معنوی امور کا مطالبہ گویا ظہور امام کا مطالبہ ہے۔

ز) حالات زمانہ سے نجات عطافرما

«اللَّهُمَّ إِنَّا نَشْكو إِلَيکَ فَقْدَ نَبِينَا صَلَوَاتُک عَلَيهِ وَ آلِهِ وَ غَيبَةَ وَلِينَا (إِمَامِنَا) وَ كثْرَةَ عَدُوِّنَا وَ قِلَّةَ عَدَدِنَا وَ شِدَّةَ الْفِتَنِ بِنَا وَ تَظَاهُرَ الزَّمَانِ عَلَينَا فَصَلِّ

عَلَى مُحَمَّدٍ وَ آلِهِ (آلِ مُحَمَّدٍ) وَ أَعِنَّا عَلَى ذَلِكَ بِفَتْحٍ مِنْكَ تُعَجِّلُهُ وَ بِضُرٍّ تَكْشِفُهُ وَ نَصْرٍ تُعِزُّهُ وَ سُلْطَانِ حَقٍّ تُظْهِرُهُ وَ رَحْمَةٍ مِنْكَ تُجَلِّلُنَاهَا وَ عَافِيَةٍ مِنْكَ تُلْبِسُنَاهَا بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ»۔

"اے معبود ! بے شک ہم شکوہ کرتے ہیں تیری بارگاہ میں، تیرے نبیؐ کے ہمارے درمیان نہ رہنے اور ہمارے مولاؑ کے نظروں سے اوجھل ہونے کا اور ہمارے دشمنوں کی کثرت اور ہماری تعداد کی قلّت کا۔ اور ہمارے اوپر فتنوں کی سختیوں کا، اور زمانے کی یلغار اور غلبے کا۔ خدایا ! محمدؐ و آل محمدؑ پر رحمت نازل فرما۔اور ان سارے مسائل و مصائب کا سامنا کرنے کے لئے ہماری مدد فرما۔ تیری طرف سے جلد حاصل ہونے والی فتح کے ذریعہ ۔اور تکلیفوں کو دور کرنے کے ذریعہ سے اور اس نصرت سے جس کو تو عظیم تر کردے گا۔اور حق کی سلطنت کے ذریعہ جس کو تو ظاہر کرکے غلبہ عطا کرے گا۔اور تیری طرف سے آنے والی رحمت کے ذریعہ جو ہم پر سایہ فگن ہوگی اور تیری طرف کی حاصل ہونے والی عافیت کے ذریعہ جو ہمیں ڈھانپ لے گی۔ تیری رحمت اور مہربانی کے واسطے سے اے مہربانوں کے سب سے زیادہ مہربان "۔ (مکمل دعائے افتتاح کے لئے مراجعہ کریں: اقبال الاعمال، سید بن طاووس، ص ۳۲۵-۳۲۲)

دعا کے مذکورہ فقرات میں دعا کرنے والا حالات زمانہ کے بارے میں بارگاہ الٰہی میں حرف شکوہ لے کر حاضر ہوتا ہے اور مشکلات و مصائب زمانہ اور دشمنوں کی کثرت اور دوستوں کی قلّت کا ذکر کرتے ہوئے، ان تمام مشکلات و مصائب سے نجات عطا کرنے کا مطالبہ کرتا ہے اور آخری جملات میں امام مہدی (عج) کے بارے میں اشارہ کرتا ہے کہ خدایا اپنی جانب سے فتح و کامیابی، رحمت و عافیت، غلبہ حق و قیام حکومت کے ذریعہ ہماری نصرت و مدد فرما جو کہ ہمارے امام زمانہ (عج) کے ظہور کی شکل میں ہوگی اور ان کے ظہور میں تعجیل فرما۔

والسلام مع الاکرام۔

امام علیؑ کے مثالی بھائی کی خصوصیات

■ تحریر: سیدہ نہاں نقوی- طالبہ جامعۃ المصطفیٰ العالمیہ قم ایران

تمہید:

پیغمبر اکرمؐ کے بلافصل جانشین اور شیعوں کے پہلے امام، جن کو عظیم عظمتوں اور عدالت و انسانیت کے عالی اقدار کے باوجود دشمنوں نے چین سے جینے نہیں دیا اور ہر قدم پر نئی نئی مشکلات سے دوچار کیا اور بالآخر ماہ رمضان کی ۱۹ ویں تاریخ تھی کہ عبدالرحمٰن بن ملجم نامی شخص نے متعدد گروہ اور لوگوں کے بہکاوے میں آکر نماز کی حالت میں آپ کے سر مبارک پر وہ زہر میں بجھی ہوئی تلوار سے ایسا وار کیا کہ تین دن کے اندر اندر زہر کا اثر پورے جسم میں سرایت کرگیا اور ۲۱ویں رمضان سنہ ۴۰ ہجری میں شہید ہوگئے۔

آپ جب تک زندہ رہے ہمیشہ لوگوں کی ہدایت و رہنمائی اور انسانیت کو معراج و کمال تک پہونچانے کی کوششیں کرتے رہیں، پیغمبر اسلامؐ کے بعد، ظاہری طور پر منصب خلافت و حکومت سے محروم کردیئے جانے کے باوجود ہمیشہ آپ کی ایک ہی کوشش تھی کہ اسلام اور معاشرہ کی پرورش کی جائے۔

آپؑ منبر پر ہمیشہ یہ اعلان کیا کرتے تھے کہ «بیشک میں تمہارے درمیان اندھیروں میں جلنے والے روشن چراغ کی مانند ہوں، جو بھی اس کی طرف رخ کرے گا وہ فائدہ اٹھائے گا، اے لوگو۔ میری باتوں کو سنو، اور اچھی طرح اپنے دل و جان میں محفوظ کرلو، اپنے دل کے کانوں کو کھلا رکھو تاکہ میری باتوں کو سمجھ سکو» (نہج البلاغہ، خطبہ ۱۷۸)۔

مذکورہ قول فقط اس زمانے کے لئے نہیں تھا جب آپ ظاہری طور پر باحیات تھے بلکہ آپ کی شہادت کے بعد بھی آپ کے ارشادات، آپ کے فرامین، آپ کے بتائے ہوئے راستے انسان کو اچھی زندگی گزارنے کے ضامن ہیں۔

امام علیؑ سے منسوب دنوں میں ہمارے لئے بہترین کام وہ ہیں جن کی خواہش آپ ہم سے کرتے ہیں یا ہمارے لئے بیان کرتے ہیں یہاں پر ایک مطلب بیان کیا جائے تو بہتر و مفید ہوگا کہ ایک دن امام علیؑ اپنے بھائی یا دوست کے بارے میں (مثال کے طور پر)، گفتگو فرمارہے ہیں اور دوسروں سے بتانا چاہ رہے تھے کہ میرا سچا بھائی اور میرے مکتب کا سچا دوست وہ ہے جن میں یہ خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

امام نے اس بیان میں ۱۴ خصوصیات بیان فرمائی جن کی بناپر جس میں یہ خصوصیات پائی جاتی ہے وہ امام کا سچا بھائی اور سچا دوست شمار کیا گیا ہے؛ امامؑ فرماتے ہیں:

«كَانَ لِي فِيمَا مَضَى أَخٌ فِي اللَّهِ، وَ كَانَ (يُعَظِّمُهُ) يُعْظِمُهُ فِي عَيْنِي صِغَرُ الدُّنْيَا فِي عَيْنِهِ، وَ كَانَ خَارِجاً مِنْ سُلْطَانِ بَطْنِهِ، فَلَا يَشْتَهِي مَا لَا يَجِدُ وَ لَا يُكْثِرُ إِذَا وَجَدَ، وَ كَانَ أَكْثَرَ دَهْرِهِ صَامِتاً، فَإِنْ قَالَ بَذَّ الْقَائِلِينَ وَ نَقَعَ غَلِيلَ السَّائِلِينَ، وَ كَانَ ضَعِيفاً مُسْتَضْعَفاً، فَإِنْ جَاءَ الْجِدُّ فَهُوَ لَيْثُ غَابٍ وَ صِلُّ وَادٍ، لَا يُدْلِي بِحُجَّةٍ حَتَّى يَأْتِيَ قَاضِياً، وَ كَانَ لَا يَلُومُ أَحَداً عَلَى مَا يَجِدُ الْعُذْرَ فِي مِثْلِهِ حَتَّى يَسْمَعَ اعْتِذَارَهُ، وَ كَانَ لَا يَشْكُو وَجَعاً إِلَّا عِنْدَ بُرْئِهِ، وَ كَانَ يَقُولُ مَا يَفْعَلُ وَ لَا يَقُولُ مَا لَا يَفْعَلُ، وَ كَانَ إِذَا غُلِبَ عَلَى الْكَلَامِ لَمْ يُغْلَبْ عَلَى السُّكُوتِ، وَ كَانَ عَلَى مَا يَسْمَعُ أَحْرَصَ مِنْهُ عَلَى أَنْ يَتَكَلَّمَ، وَ كَانَ إِذَا بَدَهَهُ أَمْرَانِ يَنْظُرُ أَيُّهُمَا أَقْرَبُ إِلَى الْهَوَى، (فَخَالَفَهُ) فَيُخَالِفُهُ. فَعَلَيْكُمْ بِهَذِهِ الْخَلَائِقِ فَالْزَمُوهَا وَ تَنَافَسُوا فِيهَا، فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِيعُوهَا، فَاعْلَمُوا أَنَّ أَخْذَ الْقَلِيلِ خَيْرٌ مِنْ تَرْكِ الْكَثِيرِ».(نہج البلاغہ، حکمت۲۸۹)۔

گذشتہ ایام میں میرا ایک بھائی تھا، دینی بھائی جس میں یہ خصوصیات پائی جاتی تھی:

۱۔ دنیا اس کی نظر میں بہت حقیر و چھوٹی تھی۔ یعنی وہ دنیاداری میں غرق نہ تھا، دنیا سے صرف اتنا ہی فائدہ اٹھاتا تھا جتنا اس کے زندہ رہنے کے لئے ضروری تھا اور آخرت کے کاموں کے لئے لازم تھا۔

۲۔اس کا دل صرف کھانے پینے میں مشغول نہیں رہتا تھا اور اپنے شکم کا اسیر نہیں تھا۔

۳۔وہ خاموش رہتا تھا، فالتو باتیں نہیں کیا کرتا تھا۔

۴۔ وہ اگر بولتا تھا تو حق اور مفید بولتا تھا، اور اتنا ہی بولتا تھا جتنے میں سوال کرنے والوں کی پیاس بجھ جاتی تھی۔

۵۔وہ ظاہر میں ایک کمزور و ناتوان انسان تھا یعنی تواضع و فروتنی ایسے کیا کرتا تھا کہ دوسروں کو کمزور لگتا تھا۔

۶۔جب راہ خدا میں جہاد و مقابلہ کرنے کی بات آتی تھی تو میدان کا بے نظیر مجاہد تھا، شیر کی طرح دھاڑتا تھا اور جیسے بیابان میں سانپ حرکت کرتا ہے ویسے تیزی سے دوڑتا تھا۔

۷۔ وہ عدالت و دادگاہ میں حاضر ہونے سے پہلے اپنی دلیلوں کو بیان نہیں کرتا تھا۔

۸۔ کوئی بھی اس کے کاموں کے بارے میں (عذر کو قبول کرنے کی صورت میں) اس کے عذر کو سننے سے پہلے ملامت نہیں کرتا تھا۔

۹۔ وہ کسی بھی درد و مشکل کے بارے میں شکایت و گلہ نہیں کرتا تھا مگر یہ کہ جب اس درد و مشکل سے نجات پالیتا تھا۔

۱۰۔ وہ جو کچھ بھی کہتا تھا اس پر خود عمل کرتا تھا، اور جو کچھ عمل نہیں کرتا تھا اس کو کسی سے کرنے کے لئے نہیں کہتا تھا۔

۱۱۔ جب وہ کسی دوسرے شخص سے بات کرتا تھا جیسے ہی سامنے والے سے حق بات کو سن لیتا تھا تو اسے قبول کرلیتا تھا اور اس کے سامنے تسلیم ہو جاتا تھا۔

۱۲۔ وہ بولنے سے زیادہ سننے کے لئے زیادہ حریص تھا۔

۱۳۔ دوسروں کو وعظ و نصیحت کرنے والوں کی باتوں کو سننے کے لئے آمادہ کرتا تھا۔

۱۴۔ جب بھی اس کے سامنے کوئی دو کام، دو مسئلہ پیش آتے تھے تو فکر کرتا تھا کہ کونسا کام اس کی نفسانی ہوس و چاہت سے زیادہ نزدیک ہے اور کونسا کام اس کے ہوا و ہوس سے دور ہے، پس ایسی صورت میں جو کام اس کے نفس و ہوس کے نزدیک تر ہوتا تھا اس کو انتخاب نہیں کرتا تھا اور جو کام اس کے عقل و ہدایت سے نزدیک ہوتا تھا اس کو انجام دیتا تھا۔

امام علیؑ نے مذکورہ خصلتوں کو بیان کرنے کے بعد فرمایا "تم سب پر لازم ہے کہ ان نیک اخلاقی خصلتوں کو اپنے اندر پیدا کرنے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرو"۔

اور امام علیؑ چونکہ جانتے تھے کہ ہر ایک کے لئے ان خصوصیات کو اپنانا اور عملی جامہ پہنانا میسر و ممکن نہیں ہے لہٰذا مزید فرمایا: "اگر ان تمام کو اپنی زندگی میں عملی کرنے کی قدرت و طاقت تمہارے اندر نہ ہو تب بھی جتنا بھی ہو سکے انجام دو، اس لئے کہ تھوڑا سا انجام دینا بہتر ہے اس چیز سے کہ زیادہ کو بھی چھوڑ دیا جائے"۔

امام علیؑ نے جو مذکورہ خصوصیات بیان فرمائی ہیں ان کے بارے میں علماء نے بیان کیا ہے کہ جس بھائی کے سلسلے میں امام نے یہ خصوصیات بیان فرمائی ہیں، ان سے مراد ذات گرامی قدر پیغمبر اعظمؐ ہیں، یا حضرت ابوذر یا حضرت مقداد تھے لیکن آیۃ اللہ خوئی نے نہج البلاغہ کی شرح میں زیادہ زور اس پر دیا ہے کہ یہ خصوصیات امام نے ایک "مثالی بھائی" کے عنوان سے بیان کی ہے۔

(شرح نہج البلاغہ آیۃ اللہ خوئی، ج ۲۱، ص ۳۷۹)۔

خلاصہ یہ ہے امام علیؑ کی نظر میں مذکورہ خصوصیات کو بیان کرنے کا مقصد کسی عظیم اخلاقی صفات کے حامل شخصیت کو بیان و توصیف کرنا ہو یا ایک مثالی وایڈیل بھائی کی خصوصیات کو پیش کرنا ہو، لیکن مذکورہ خصوصیات وہ ہیں جو امام علیؑ کی نظر میں تمام چاہنے والوں اورآپ کی ولایت و مذہب کے رشتہ کی بنیاد پر آپ ہر دوست سے مطلوب ہیں۔اور یہ بھی اجازت ہے کہ جتنا بھی ممکن ہوسکے ان خصوصیات کو اپنی عملی زندگی میں اپنایا جائے اس لئے شاعر کے مطابق:

آب دریا را اگر نتوان کشید پس
به قدر تشنگی باید چشید

یعنی سمندر کے سارے پانی کو اگر حاصل نہیں کیا جاسکتا ہے تب بھی جتنی پیاس ہو اتنا چکھنا تو لازم ہے۔اسی قاعدے کی روشنی میں آپؑ کی یاد کے ایام اور ماہ رمضان کے مبارک ایام میں ہمارے لئے بہترین کام یہی ہے کہ ہم مذکورہ خصلتوں میں تھوڑا تھوڑا ہی سہی اپنے اندر ان کو پیدا کریں اور اگر پائی جاتی ہیں تو مزید ان کی تقویت کرتے رہیں۔

(والسلام)

آثار و برکات رمضان المبارک

تحریر: انیس زہرا رضوی - طالبہ جامعۃ المصطفیؐ العالمیہ قم ایران

تمہید

رمضان المبارک ہجری قمری کے اعتبار سے نواں مہینہ ہے اور یہ مہینہ بہت ہی مبارک اور بابرکت مہینہ ہے، اس مہینہ میں روزہ واجب ہے جو اسلام کی ایک اہم ترین عبادت ہے۔ روزہ فقط اسلام میں ہی واجب نہیں بلکہ دوسرے مذاہب میں کسی نہ کسی شکل میں روزہ واجب تھا لہٰذا تمام الٰہی ادیان اس کی افادیت کے قائل ہیں۔ لیکن رمضان المبارک میں روزہ رکھنا دین اسلام میں خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اسی لئے حضرت امام زین العابدینؑ نے ماہ مبارک رمضان کو صحیفہ سجادیہ ایک دعا میں "شہر الاسلام" یعنی اسلام کا مہینہ قرار دیا ہے۔ اس مہینہ کی فضیلت اور اس کے آثار و برکات کا ذکر قرآن کریم اور احادیث میں کثرت سے ہوا ہے؛ یہاں چند حدیثوں کا ذکر کیا جا رہا ہے:

۱- قال الباقرؑ: «بُنِیَ الإِسلامُ عَلی خَمسَةِ أَشیآءَ، عَلَی الصَّلوةِ وَ الزَّکاةِ والحَجِّ وَ الصَّومِ وَ الوِلایَةِ»۔

امام محمد باقرؑ نے فرمایا: "اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے: نماز، زکوۃ، حج، روزہ، اور ولایت۔" (فروع کافی، ج ۴، ص ۶۲، ح ۱)۔

یہ حدیث اسلامی عقائد و اعمال کی بنیادی ستونوں کو واضح کرتی ہے۔ امام باقرؑ نے ان پانچ ارکان کو دین اسلام کی اساس قرار دیا ہے، جن کے بغیر اسلام کا ڈھانچہ مکمل نہیں ہوتا ہے۔

۱-نماز: نماز دین کا ستون ہے اور اللہ کے ساتھ بندے کا براہ راست تعلق قائم کرتی ہے۔ قرآن میں نماز کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے اور اسے ترک کرنا گمراہی کا سبب بتایا گیا ہے۔

۲-زکوٰۃ: زکوۃ اسلام میں مالی عبادت ہے جو دولت کی پاکیزگی اور معاشرتی انصاف کو یقینی بناتی ہے۔ اس کے ذریعے دولت مند افراد غریبوں اور ضرورت مندوں کی مدد کرتے ہیں۔

۳-حج: صاحب استطاعت مسلمانوں پر زندگی میں ایک مرتبہ حج فرض ہے۔ یہ عبادت اتحاد اور مساوات کی علامت ہے، جہاں سب مسلمان ایک لباس میں اللہ کے حضور حاضر ہوتے ہیں۔

۴-روزہ: رمضان کے مہینے میں روزہ رکھنا فرض ہے، جو صبر، تقویٰ اور روحانی پاکیزگی کا ذریعہ ہے۔روزہ انسان کو اللہ کے قریب کرتا ہے اور اس کی روحانی ترقی میں مدد دیتا ہے۔

۵-ولایت: ولایت کا مطلب اللہ، رسولؐ اور اہل بیتؑ کی رہنمائی کو قبول کرنا ہے۔ولایت کے بغیر دین نامکمل ہے، کیونکہ یہ دین کی فکری اور عملی راہنمائی کا ذریعہ ہے۔ولایت امام علیؑ اور ان کے بعد آئمہ معصومینؑ کی قیادت کو تسلیم کرنے کا نام ہے، جیساکہ مختلف احادیث میں ولایت کو دین کا سب سے اہم ستون قرار دیا گیا ہے۔

یہ حدیث اسلامی تعلیمات کی بنیاد کو واضح کرتی ہے اور یہ ظاہر کرتی ہے کہ عبادات (نماز، روزہ، زکوۃ، حج) کے ساتھ ساتھ ولایت دین کا ایک اہم اور بنیادی رکن ہے۔ولایت کے بغیر دین ناقص رہتا ہے کیونکہ ولایت ہی وہ راستہ ہے جو اسلامی احکام کو درست طریقے سے سمجھنے اور ان پر عمل کرنے میں مدد دیتی ہے۔

۱- قال الصادقؑ: «انَّما فَرَضَ اللهُ الصِّيامَ لِيَسْتَوِیَ بِهِ الْغَنِیُّ وَ الْفَقيرُ»۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: "اللہ نے روزہ اس لئے فرض کیا ہے تاکہ اس کے ذریعے امیر اور غریب برابر ہو جائیں"۔ (من لایحضرہ الفقیہ، ج ۲ ص ۴۳، ح۱)۔

یہ حدیث روزے کے فلسفے اور اس کی حکمت کو بیان کرتی ہے، جو صرف عبادت ہی نہیں بلکہ ایک سماجی اور اخلاقی درس بھی ہے۔اس حدیث کی روشنی میں مندرجہ ذیل باتوں کی طرف اشارہ ہوتا ہے:

۱-برابری اور مساوات

عام دنوں میں مالدار افراد ہر قسم کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں، جبکہ غریب افراد فاقہ کشی اور تنگ دستی میں زندگی گزارتے ہیں۔روزے کے ذریعے امیر اور غریب ایک جیسے حالات کا تجربہ کرتے ہیں، کیونکہ دونوں کو بھوک اور پیاس کا سامنا ہوتا ہے۔

۲-ہمدردی اور احساس

جب ایک مالدار شخص خود بھوک اور پیاس کا تجربہ کرتا ہے، تو وہ غریبوں کی مشکلات کو بہتر طور پر سمجھنے لگتا ہے۔اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ زیادہ صدقہ و خیرات کرنے اور ضرورت مندوں کی مدد کرنے پر آمادہ ہوتا ہے۔

۳-نفس کی پاکیزگی

روزہ صرف کھانے پینے سے رکنے کا نام نہیں، بلکہ خواہشات اور نفسانی خواہشات پر قابو پانے کی

مشق بھی ہے۔اس عمل سے غرور اور تکبر کم ہوتا ہے اور عاجزی وانکساری پیدا ہوتی ہے۔

۴-سماجی عدل وانصاف

جب امیر اور غریب دونوں ایک ہی حالت میں رہتے ہیں، تو اس سے سماج میں برابری کا تصور مضبوط ہوتا ہے۔اس سے طبقاتی فرق کم کرنے اور ایک دوسرے کے حقوق کا احترام کرنے کا شعور پیدا ہوتا ہے۔

امام جعفر صادقؑ کی مذکورہ حدیث ہمیں روزے کے ایک اہم پہلو کی طرف متوجہ کرتی ہے کہ یہ عبادت صرف جسمانی مشق نہیں بلکہ ایک گہرا سماجی اور اخلاقی پیغام رکھتی ہے۔روزے کا مقصد صرف اللہ کی رضا حاصل کرنا ہی نہیں، بلکہ ایک ایسا نظام پیدا کرنا بھی ہے جہاں تمام انسان ایک دوسرے کے درد کو محسوس کر سکیں اور ایک بہتر، ہمدرد معاشرہ تشکیل دے سکیں۔

۳- قال امیرالمومنینؑ: «فَرَضَ اللّٰہ... الصِّیامَ ابْتِلاءً لِاِخْلاصِ الْخَلْقِ»

امیرالمؤمنین حضرت علیؑ نے فرمایا": اللہ نے روزہ اس لیے فرض کیا ہے تاکہ اس کے ذریعے مخلوق کے اخلاص کا امتحان ہو۔" (نہج البلاغہ، حکمت ۲۵۲)۔

یہ حدیث روزے کی بنیادی حکمت کو واضح کرتی ہے اور اس کی روحانی واخلاقی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے اور اس حدیث کی روشنی میں مندرجہ ذیل باتوں کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے:

۱-اخلاص کی آزمائش

روزہ ایک ایسی عبادت ہے جو مکمل طور پر انسان اور اللہ کے درمیان ہوتی ہے۔دوسری عبادات جیسے نماز، زکوۃ، حج میں انسان دوسروں کے سامنے عبادت کرتا ہے، لیکن روزہ ایک مخفی عبادت ہے، جس میں حقیقی نیت اور اخلاص کا امتحان ہوتا ہے۔اس لئے کہ ایک شخص بھوک اور پیاس کے باوجود کھانے پینے سے رکا رہتا ہے، حالانکہ اگر وہ تنہائی میں کھا بھی لے تو کوئی دوسرا انسان اسے نہیں دیکھے گا، لیکن وہ اللہ کے لیے ایسا نہیں کرتا۔

۲- نفس کی پاکیزگی اور تربیت

روزہ انسان کے اندر تقویٰ اور خدا کا خوف پیدا کرتا ہے، کیونکہ یہ ایک مسلسل کوشش کا نام ہے جس میں خواہشات کو کنٹرول کیا جاتا ہے۔ اور اخلاص کا تقاضا یہی ہے کہ انسان صرف اللہ کی رضا کے لیے روزہ رکھے، نہ کہ دکھاوے یا سماجی دباؤ کے تحت۔

۳-عبادت کی حقیقت

اللہ کو انسان کی بھوک اور پیاس کی ضرورت نہیں، بلکہ وہ دیکھنا چاہتا ہے کہ اس کا بندہ کتنا مخلص

ہے؛ قرآن مجید میں بھی آیا ہے کہ: "إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ"؛ "اللہ صرف متقی لوگوں کے اعمال کو قبول کرتا ہے" (مائدہ، آیت ۲۷)۔

۴-اخلاص کا امتحان

روزے کے دوران بھوک، پیاس اور مشکلات کے باوجود صبر کرنا، غصے کو کنڑول کرنا اور دوسروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا اخلاص کا امتحان ہے۔ جو شخص صرف اللہ کے لیے روزہ رکھتا ہے، وہ نہ صرف کھانے پینے سے بچتا ہے بلکہ زبان، آنکھ اور دل کو بھی گناہوں سے روکتا ہے۔

امام علیؑ کی اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ روزہ محض ایک ظاہری عبادت نہیں، بلکہ ایک گہری روحانی تربیت ہے جو بندے کے اخلاص اور تقویٰ کو جانچنے کا ذریعہ بنتی ہے۔ روزے کے ذریعے اللہ بندوں کے دلوں میں پوشیدہ نیتوں اور ارادوں کو آزماتا ہے، تاکہ معلوم ہو کہ کون واقعی طور پر اس کی رضا کے لیے عمل کر رہا ہے اور کون صرف رسمی عبادت میں مصروف ہے۔

۴- قال الرضاؑ: «اِنَّما اُمِرُوا بِالصَّوْمِ لِكَيْ يَعْرِفُوا أَلَمَ الْجُوْعِ وَ الْعَطَشِ فَيَسْتَدِلُّوا عَلى فَقْرِ الْآخِرَةِ»۔

امام علی رضاؑ نے فرمایا": لوگوں کو روزے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے تاکہ وہ بھوک اور پیاس کی تکلیف کو محسوس کریں اور اس کے ذریعے دوسروں کی غربت کو پہچان سکیں۔" (وسائل الشیعہ، ج ۴ ص ۴ ح ۵؛ علل الشرائع، ص ۱۰)۔

یہ حدیث روزے کے ایک اہم سماجی اور اخلاقی پہلو کو اجاگر کرتی ہے۔ اس میں حضرت امام رضاؑ روزے کی ایک بڑی حکمت یعنی ہمدردی اور غریبوں کے احساس کو بیان فرما رہے ہیں۔ اس سلسلے میں بعض اہم مطالب مندرجہ ذیل ہیں:

۱- بھوک اور پیاس کا تجربہ

روزے کے ذریعے انسان خود بھوک اور پیاس کو محسوس کرتا ہے، جو عام طور پر خوشحال افراد کے لیے غیر معمولی کیفیت ہوتی ہے۔ جب ایک روزہ دار خود بھوکا اور پیاسا رہتا ہے تو وہ ان لوگوں کے حالات کو بہتر طریقے سے سمجھ سکتا ہے جو روزانہ فاقہ کشی اور تنگدستی کا شکار ہوتے ہیں۔

۲- ہمدردی اور احساسِ ذمہ داری

جب کوئی شخص بھوک اور پیاس کے درد کو خود محسوس کرتا ہے، تو اس کے دل میں غریبوں اور ضرورت مندوں کے لیے ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔ یہ ہمدردی انسان کو صدقہ، خیرات، زکوۃ اور فلاحی کاموں کی طرف مائل کرتی ہے، تاکہ وہ معاشرے میں غربت اور محرومی کو کم کرنے میں کردار ادا کرے۔

۳- سماجی عدل اور مساوات

اسلام ایک ایسا معاشرہ چاہتا ہے جہاں دولت صرف چند ہاتھوں میں محدود نہ ہو بلکہ تمام لوگوں کو بنیادی ضروریات میسر آئیں۔ روزہ رکھنے سے امیر اور غریب دونوں ایک جیسے حالات کا سامنا کرتے ہیں، جس سے طبقاتی فرق کم ہونے اور مساوات کے فروغ میں مدد ملتی ہے۔

۴-روحانی و اخلاقی تربیت

روزہ صرف ایک جسمانی عبادت نہیں، بلکہ ایک گہری روحانی اور اخلاقی تربیت بھی ہے۔ بھوک اور پیاس کا احساس انسان میں عاجزی اور انکساری پیدا کرتا ہے، جس سے وہ دوسروں کی مدد کرنے اور بہتر انسان بننے کی طرف مائل ہوتا ہے۔

امام رضاؑ کی یہ حدیث ہمیں یہ درس دیتی ہے کہ روزہ صرف عبادت نہیں بلکہ ایک سماجی تربیت کا ذریعہ بھی ہے، جس کے ذریعے انسان دوسروں کے دکھ درد کو محسوس کر کے ان کی مدد کے لیے آگے بڑھتا ہے۔ روزہ رکھنے کا حقیقی مقصد صرف بھوکا پیاسا رہنا نہیں، بلکہ یہ سیکھنا ہے کہ ہم محتاجوں اور مسکینوں کے درد کو سمجھیں اور ان کی مدد کریں۔

۵- قال رسول اللہؐ: «لِكُلِّ شَيْءٍ زَكَاةٌ وَ زَكَاةُ الْأَبْدَانِ الصِّيَامُ»۔ رسول اللہؐ نے فرمایا: "ہر چیز کی ایک زکوۃ ہوتی ہے، اور بدن کی زکوۃ روزہ ہے۔" (الکافی، ج ۴، ص ۶۲، ح ۳)

یہ حدیث روزے کی ایک اہم حکمت اور اس کے روحانی و جسمانی فوائد کو بیان کرتی ہے؛ اس حدیث کی روشنی میں بعض مندرجہ ذیل مطالب معلوم ہوتے ہیں:

۱- زکوۃ کا مفہوم

زکوۃ کا مطلب ہے پاکیزگی اور نشوونما۔ مالی زکوۃ کا مقصد مال کو پاک کرنا اور اس میں برکت پیدا کرنا ہوتا ہے۔ اسی طرح، جسم کی زکوۃ کا مطلب اسے پاک کرنا، بہتر بنانا اور نشوونما دینا ہے۔

۲- روزہ اور زکوۃ

روزہ جسم کی پاکیزگی اور روحانی ترقی کا ذریعہ ہے۔ جیسے مال کی زکوۃ سے دولت پاک ہوتی ہے، ویسے ہی روزے سے جسم اور روح کی اصلاح ہوتی ہے۔ روزہ کھانے پینے کی زیادتی کو کم کرتا ہے، جسم کو زہریلے مادوں سے پاک کرتا ہے، اور قوتِ برداشت بڑھاتا ہے۔

۳- روحانی اور اخلاقی فوائد

روزہ صرف جسمانی عبادت نہیں بلکہ ایک روحانی عمل بھی ہے جو دل کو تقویٰ اور اخلاص کی طرف مائل کرتا ہے۔ روزہ رکھنے سے صبر، شکر، ہمدردی اور اللہ سے قربت حاصل ہوتی ہے۔ اس سے انسان اپنی خواہشات پر قابو پانے اور خود کو برائیوں سے بچانے کی تربیت حاصل کرتا ہے۔

۴-جسمانی فوائد

جدید سائنسی تحقیق کے مطابق روزہ جسم کی ڈیٹاکسیفیکیشن (Detoxification) میں مدد دیتا ہے۔ روزہ رکھنے سے ہاضمے کا نظام بہتر ہوتا ہے، وزن متوازن رہتا ہے اور جسم کی قوتِ مدافعت بڑھتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ مذکورہ حدیث کے مطابق جس طرح مال کو پاک کرنے کے لیے زکوۃ دی جاتی ہے، اسی طرح جسم اور روح کی پاکیزگی کے لیے روزہ ضروری ہے۔ روزہ ایک ایسی عبادت ہے جو نہ صرف روحانی طور پر بلکہ جسمانی طور پر بھی انسان کو پاکیزہ اور مضبوط بناتی ہے۔

۶- قال النبیؐ: «أَلصَّوْمُ جُنَّـةٌ مِنَ النّـارِ» حضرت رسول اللہؐ نے فرمایا: "روزہ آگ (جہنم) سے ڈھال ہے"۔ (الکافی، ج ۴ ص ۱۶۲)۔

یہ حدیث روزے کی ایک عظیم فضیلت کو بیان کرتی ہے، جس میں روزے کو جہنم کی آگ سے بچانے کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ اس حدیث کے ذیل مندرجہ ذیل مطالب ظاہر ہوتے ہیں:

۱-روزہ حفاظتی حصار

عربی میں "جبۃ" کا مطلب ڈھال یا حفاظت کا ذریعہ ہے۔ جیسے جنگ میں ایک سپاہی خود کو دشمن کے حملوں سے بچانے کے لیے ڈھال استعمال کرتا ہے، اسی طرح روزہ انسان کو جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھنے کا ذریعہ بنتا ہے۔

۲- روزہ اور گناہوں سے حفاظت

روزہ رکھنے سے انسان کی خواہشات اور نفسانی جذبات قابو میں آتے ہیں۔ یہ عبادت برے خیالات، برے اعمال، غیبت، جھوٹ اور گناہوں سے دور رہنے میں مدد دیتی ہے۔ جب انسان تقویٰ اختیار کرتا ہے اور اپنے نفس پر قابو پاتا ہے انہیں تمام امور کی وجہ سے روزہ جہنم کے عذاب سے محفوظ رہنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

۳- روزہ اور شفاعت

احادیث میں آتا ہے کہ قیامت کے دن روزہ سفارش و شفاعت کرے گا اور اللہ کے حکم سے روزہ دار کے لیے بخشش اور نجات کا ذریعہ بنے گا۔ روزہ دار کے لیے اللہ کی خاص رحمت اور مغفرت کا وعدہ ہے، جو اسے جہنم سے بچانے میں مدد دے گی۔

۴- جہنم سے بچاؤ کا عملی راستہ

روزہ انسان کے دل میں اللہ کا خوف اور پرہیزگاری پیدا کرتا ہے، جو گناہوں سے بچنے کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے۔ جب کوئی شخص مسلسل روزہ رکھتا ہے، تو اس کی طبیعت نیکی کی طرف مائل ہو جاتی ہے اور وہ گناہوں سے دور رہنے کی کوشش کرتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ مذکورہ حدیث ہمیں سکھاتی ہے کہ روزہ محض ایک جسمانی عبادت نہیں بلکہ یہ ایک روحانی ڈھال بھی ہے جو ہمیں دنیا اور آخرت میں نقصان اور عذاب سے محفوظ رکھتی ہے۔ جو شخص روزے کو اخلاص اور تقویٰ کے ساتھ رکھتا ہے، وہ اللہ کی رحمت کا مستحق بنتا ہے اور جہنم سے نجات حاصل کرتا ہے۔

۷- قال رسولؐ: «أَلصَّوْمُ فِی الْحَرِّ جِهادٌ»؛ رسول خداؐ نے فرمایا: "گرمی میں روزہ رکھنا جہاد ہے۔" (بحار الانوار، ج ۹۶، ص ۲۵۷)۔

یہ حدیث روزے کی عظمت اور اس میں پائے جانے والی قربانی کے جذبے کو بیان کرتی ہے۔اور مندرجہ ذیل مطالب کی طرف اشارہ کرتی ہے:

۱-روزہ اور جہاد میں شباہت

جہاد کا مطلب صرف جنگ کرنا نہیں بلکہ ہر وہ کوشش ہے جو اللہ کی رضا کے لیے کی جائے، خواہ وہ نفس کے خلاف ہو یا کسی ظاہری دشمن کے خلاف۔ گرمی کے شدید موسم میں روزہ رکھنا ایک مشکل عمل ہے، جس میں بھوک، پیاس اور جسمانی مشقت کو صبر واستقامت کے ساتھ برداشت کرنا پڑتا ہے، لہٰذا گرمی میں روزہ رکھنا کسی مجاہد کی قربانی سے کم نہیں ہے کیونکہ ایک مجاہد اللہ کے راستے میں جس طرح مشکلات کو برداشت کرتا ہے، ویسے ہی سخت گرمی میں روزہ رکھنے والا بھی اللہ کی رضا کے لیے قربانی دیتا ہے۔

۲- صبر اور تقویٰ کی آزمائش

گرمی میں روزہ رکھنے سے انسان کے صبر و برداشت اور تقویٰ و پرہیزگاری کا حقیقی امتحان ہوتا ہے۔جب کوئی شخص شدید گرمی میں بھوک اور پیاس کو برداشت کرتا ہے، تو وہ اپنی خواہشات اور جذبات پر قابو پانے کی مشق کرتا ہے، جو روحانی ترقی کا باعث بنتا ہے۔

۳- اخلاص اور قربانی کا درس

جب کوئی شخص گرمی کے موسم میں روزہ رکھتا ہے تو یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ محض رسمی طور پر نہیں بلکہ خالص اللہ کی رضا کے لیے عبادت کر رہا ہے۔ ایسی سختیوں میں کیے گئے اعمال کا اجر بھی زیادہ ہوتا ہے۔

۴- اہلِ بیتؑ اور صحابہ کی عملی مثالیں

اہلِ بیتؑ اور نیک اصحاب سخت ترین حالات میں بھی روزے کا اہتمام کرتے تھے؛ حضرت فاطمہ زہرؑا، امام علیؑ اور دیگر اہلِ بیت نے گرمی میں روزے رکھ کر صبر اور استقامت کی اعلیٰ مثالیں قائم کیں۔

خلاصہ یہ کہ مذکورہ حدیث ہمیں سکھاتی ہے کہ گرمی میں روزہ رکھنا ایک عظیم عبادت اور جہاد کی مانند ہے۔ جو شخص صبر کے ساتھ اللہ کی رضا کے لیے گرمی میں روزہ رکھتا ہے، وہ جہادِ نفس میں کامیاب

ہوتا ہے اور اللہ کی خاص رحمت و مغفرت کا مستحق بنتا ہے۔

۸- قال امیرالمومنینؑ: «أَلصِّیامُ اِجْتِنابُ الْمَحارِمِ کَما یَمْتَنِعُ الرَّجُلُ مِنَ الطَّعامِ وَ الشَّرابِ»، امیرالمؤمنین حضرت علیؑ نے فرمایا: "روزہ محرمات سے بچنے کا نام ہے جس طرح انسان روزے میں کھانے پینے کی چیزوں سے بچتا ہے"۔ (بحار، ج ۹۳، ص ۲۴۹)۔

یہ حدیث روزے کی حقیقت اور اس کے اصل مقصد کو بیان کرتی ہے۔ امام علیؑ ہمیں بتا رہے ہیں کہ روزہ صرف بھوک اور پیاس کا نام نہیں بلکہ ایک جامع عبادت ہے جو انسان کو گناہوں سے بچانے اور اس کے کردار کو بہتر بنانے کا ذریعہ بنتی ہے۔ اس حدیث کی روشنی میں مندرجہ ذیل مطالب ظاہر ہوتے ہیں:

۱-روزہ صرف بھوک پیاس نہیں

عام طور پر لوگ روزے کو صرف ظاہری عبادت سمجھتے ہیں کہ اس میں کھانے اور پینے سے پرہیز کرنا ہوتا ہے۔ لیکن امام علیؑ فرما رہے ہیں کہ روزے کا اصل مقصد حرام چیزوں سے بچنا ہے، جیسا کہ آدمی کھانے اور پینے سے خود کو روکتا ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص دن بھر بھوکا پیاسا رہے لیکن جھوٹ، غیبت، دھوکہ دہی، گناہ اور برے اعمال سے نہ بچے تو اس کا روزہ حقیقی روزہ نہیں ہے۔

۲-روزے کا روحانی پہلو

روزہ انسان کو اللہ کے قریب کرتا ہے اور تقویٰ و پرہیزگاری سکھاتا ہے۔ یہ صرف جسمانی عبادت نہیں بلکہ روحانی پاکیزگی اور نفس کی تربیت کا ذریعہ بھی ہے۔

حدیث نبویؐ ہے: "بہت سے روزہ دار ایسے ہیں جنہیں ان کے روزے سے بھوک اور پیاس کے سوا کچھ نہیں ملتا۔" (سننِ ابنِ ماجہ، ۳۲۰/۲، ح ۱۶۹۰) یعنی اگر کوئی شخص گناہوں سے نہیں بچتا، تو اس کے روزے کا کوئی فائدہ نہیں۔

۳- روزہ بطور تربیت

روزہ ہمیں سکھاتا ہے کہ جس طرح ہم حلال چیزوں (کھانے، پینے) سے دور رہتے ہیں، اسی طرح ہمیں حرام چیزوں (جھوٹ، چغلی، حسد، غصہ، بدگمانی، دھوکہ) سے بھی دور رہنا چاہیے۔ اگر روزہ ہمیں گناہوں سے نہ بچائے، تو وہ ایک رسمی عبادت بن جاتی ہے اور اس کا حقیقی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

خلاصہ یہ کہ امام علیؑ کی یہ حدیث ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ روزے کا اصل مقصد تقویٰ اور پاکیزگی ہے۔ صرف بھوکا پیاسا رہنا کافی نہیں بلکہ اپنی زبان، آنکھ، دل اور دماغ کو بھی برے کاموں سے بچانا ضروری ہے۔ حقیقی روزہ وہ ہے جو انسان کو اللہ کی نافرمانی سے روکے اور نیکی کی طرف مائل کرے۔

۹- قال امیر المومنینؑ: «صَوْمُ الْقَلْبِ خَيْرٌ مِنْ صِيامِ اللِّسانِ وَ صَوْمُ اللِّسانِ خَيْرٌ مِنْ صِيامِ الْبُطْنِ»؛ امیر المؤمنین حضرت علیؑ نے فرمایا: "دل کا روزہ زبان کے روزے سے بہتر ہے، اور زبان کا روزہ پیٹ کے روزے سے بہتر ہے"۔ (غرر الحکم، ج ۱، ص ۴۱۷، ح ۸۰)

یہ حدیث روزے کی حقیقی روح اور اس کے مختلف درجات کو واضح کرتی ہے۔ امام علیؑ یہاں تین طرح کے روزوں کا ذکر فرما رہے ہیں:

۱- شکم کا روزہ

یہ سب سے ابتدائی درجہ ہے، جس میں انسان کھانے، پینے اور دیگر ممنوع چیزوں سے پرہیز کرتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص صرف کھانے پینے سے رکا رہے، لیکن جھوٹ، غیبت، بدگوئی اور دیگر برے کاموں میں ملوث رہے، تو اس کا روزہ ناقص ہوگا۔

۲- زبان کا روزہ

شکم کے روزے سے بہتر یہ ہے کہ انسان اپنی زبان کو بھی برائیوں سے روکے۔ اس میں جھوٹ، غیبت، بدزبانی، چغلی، بے ہودہ گفتگو، گالی گلوچ اور فضول باتوں سے پرہیز شامل ہے؛ قرآن میں مومنین کی صفات میں سے بیان ہوا ہے کہ: «وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ» "یہ لوگ وہ ہیں جو لغو باتوں سے منہ موڑ لیتے ہیں۔" (سورہ مؤمنون، آیت ۳)۔ زبان کا روزہ رکھنے والا شخص نہ صرف خود کو بہتر بناتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی اپنے الفاظ سے تکلیف نہیں دیتا۔

۳- دل کا روزہ

سب سے افضل روزہ وہ ہے جس میں دل کو گناہوں، برے خیالات، حسد، نفرت، کینہ، تکبر اور دنیاوی لالچ سے پاک رکھا جائے۔ ظاہری عبادات کے ساتھ اگر دل میں ناپاکی اور برے جذبات ہوں تو انسان کی روحانی ترقی نہیں ہوتی جیسا کہ قرآن مجید فرماتا ہے: «يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ - إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ»؛ اس (قیامت کے) دن نہ مال کام آئے گا، نہ اولاد، مگر جو پاک دل کے ساتھ اللہ کے پاس آیا"۔ (سورہ شعراء، ۸۸-۸۹)۔ یعنی حقیقی روزہ وہی ہے جو دل کو اللہ کی یاد میں مشغول کرے اور انسان کے کردار کو پاک کر دے۔

خلاصہ یہ کہ امام علیؑ کی یہ حدیث ہمیں سکھاتی ہے کہ روزہ صرف بھوکا پیاسا رہنے کا نام نہیں، بلکہ زبان اور دل کو بھی پاک رکھنا ضروری ہے۔ حقیقی روزہ وہ ہے جو انسان کو گناہوں سے روکے، زبان کو قابو میں رکھے، اور دل کو نیک اور اللہ کی طرف مائل کرے۔

۱۰- قال امیر المومنینؑ: «كَمْ مِنْ صائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ صِيامِهِ الاّ الْجُوعُ وَ الظَّمَأُ وَ كَمْ مِنْ قائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ قِيامِهِ الاّ السَّهَرُ وَ الْعِناءُ»؛

امیر المؤمنین حضرت علیؑ نے فرمایا: "کتنے ہی روزہ دار ایسے ہیں جنہیں ان کے روزے سے صرف بھوک اور پیاس ہی حاصل ہوتی ہے، اور کتنے ہی عبادت گزار ایسے ہیں جنہیں ان کی عبادت سے صرف جاگنا اور مشقت اٹھانا ہی نصیب ہوتا ہے"۔ (نہج البلاغہ، حکمت ۱۴۵)۔

یہ حدیث روزے اور عبادت کی حقیقی روح کو بیان کرتی ہے اور ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ محض ظاہری اعمال کافی نہیں، بلکہ نیت، اخلاص، اور عمل کی پاکیزگی ضروری ہے۔ مندرجہ ذیل مطالب اس حدیث کی روشنی میں معلوم ہوتے ہیں:

۱-روزے کی حقیقت

روزہ صرف کھانے اور پینے سے رکنے کا نام نہیں، بلکہ گناہوں سے بچنے، اخلاق کو سنوارنے، اور اللہ کے قریب ہونے کا ذریعہ ہے۔ اگر کوئی شخص روزہ رکھے لیکن جھوٹ، غیبت، حسد، چغلی، دھوکہ، فریب، اور دیگر برے اعمال سے نہ بچے، تو اس کا روزہ محض بھوک اور پیاس بن کر رہ جاتا ہے۔

۲- عبادت کی روح

کچھ لوگ رات بھر عبادت کرتے ہیں، لیکن ان کے دل میں ریاکاری، تکبر، حسد اور دوسروں کو حقیر سمجھنے کا جذبہ ہوتا ہے۔ ایسی عبادت میں روحانی ترقی نہیں ہوتی، بلکہ وہ صرف ظاہری مشقت بن کر رہ جاتی ہے۔ جیساکہ نماز کے سلسلے میں قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ: «فَوَيۡلٌ لِلۡمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمۡ عَنۡ صَلَاتِهِمۡ سَاهُونَ»؛ "پس ہلاکت ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز سے غافل ہیں، جو دکھاوے کے لیے نماز پڑھتے ہیں۔" (سورہ الماعون ۴-۶)

۳- اخلاص اور نیت کی اہمیت

مذکورہ حدیث کی روشنی میں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قبولیتِ عمل کا دار و مدار نیت پر ہے۔ اگر روزہ اور عبادت ریاکاری، شہرت، یا رسمی عادت بن جائیں تو ان کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا ہے۔ امام علیؑ کی یہ حدیث ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ روزہ اور عبادت صرف رسمی یا جسمانی مشقت نہ ہوں، بلکہ ان میں اخلاص، نیکی، اور اللہ کا خوف ہونا چاہیے۔ اگر روزہ اخلاقی اصلاح کا ذریعہ نہ بنے اور عبادت دل کی پاکیزگی نہ بڑھائے تو وہ بے فائدہ رہ جاتی ہے۔ حقیقی کامیابی وہی ہے جو ظاہری عبادات کے ساتھ دل کی پاکیزگی اور اچھے اخلاق میں نظر آئے۔

والسلام

اشعار در مدح حضرت امام حسن مجتبیٰ ؑ

■ نتیجہ فکر: حجۃ الاسلام والمسلمین جناب عرفان عالم پوری صاحب

(۱)

آؤ یہاں نہ دیکھو ضلالت کا آئینہ
یہ محفلِ حسنؑ ہے ہدایت کا آئینہ

گودی میں اپنی لے کے نواسے کو بارہا
دیکھا کئے رسولؐ رسالت کا آئینہ

نکلے ہیں اپنے گھر سے حسنؑ لے کے اک قلم
ٹوٹے گا آج پھر سے سیاست کا آئینہ

کیا ہو معاویہ کا حسنؑ سے مقابلہ
وہ صرف خواب اور یہ حقیقت کا آئینہ

منبر پہ مصطفیٰؐ کے جو نااہل آگئے
کر ڈالا چور چور خلافت کا آئینہ

یہ اور بات سوگئے تیروں کی سیج پر
چھوڑا نہ پتھروں میں شریعت کا آئینہ

آتی ہوں جس میں صاف نظر بارہ صورتیں
ایسا ہے صرف ایک امامت کا آئینہ

چُپ ہے یہ اپنی خیر منا اے معاویہ
بولا اگر تو ہوگا قیامت کا آئینہ

اِن کے خلاف اِس لئے کیں اُس نے سازشیں
کھلتا تھا اُس کو اِن کی سخاوت کا آئینہ

اُس نے تو کتنی بار ہی کوا علی کہا
اِس طرح سے بچایا حکومت کا آئینہ

ہو کیسے اُس کا چاہنے والا کوئی شہید
جس نے ہمیشہ دیکھا ہلاکت کا آئینہ

عرفانؔ دل میں عشقِ حسنؑ ہے تو حشر میں
دکھلائیں گے وہ ہم کو شفاعت کا آئینہ

(۲)

بالکل رسولؐ جیسی ہی صورت حسنؑ کی ہے
پھر کہنے دیجئے کہ رسالت حسنؑ کی ہے

سب سے جدا جہاں میں یہ عظمت حسنؑ کی ہے
واجب حسینؑ پر بھی اطاعت حسنؑ کی ہے

آئی نبیؐ کے لب پہ ہنسی مدتوں کے بعد
زہرا کے گھر میں آج ولادت حسنؑ کی ہے

بے ساختہ پکاری یہ صلحِ حدیبیہ
جو ہے رسولؐ کی وہی سیرت حسنؑ کی ہے

صلحِ حسنؑ میں دیکھی گئی صبر کی جھلک
صفین کی صفوں میں شجاعت حسنؑ کی ہے

خیبر ہے اُنگلیوں پہ قلم اُنگلیوں میں ہے
وہ ہے علیؑ کی اور یہ طاقت حسنؑ کی ہے

باغِ فدک نہیں ہے جو تم اِس کو بانٹ لو
جنت کی سلطنت پہ سیادت حسنؑ کی ہے

تعویذ ہے بندھا ہوا قاسمؑ کے ہاتھ پر
کرب و بلا کی جنگ میں شرکت حسنؑ کی ہے

برسا رہا ہے تیر جنازے پہ اِس لئے
طاری امیرِ شام پہ ہیبت حسنؑ کی ہے

عرفانؔ ہم ہیں امن پسند اِس لئے سدا
کیوں کہ ہمارے دل میں محبت حسنؑ کی ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Under the Patronage of Hazrat Wali al-Asr (aj)

Akhtar Taban

اختر تابان

AKHTAR TABAN BIMONTHLY RESEARCH JOURNAL

YEAR 1 | NO. 5 | MARCH & APRIL 2025

MAGAZINE PROFILE

- **Editor-in-Chief:**
  Hujjatul Islam
  Syed Kazim Rizvi
- **Executive Director:**
  Maulana
  Talim Raza Jafri
- **Deputy Executive Director:**
  Dr. Syed Baqir Eliya Rizvi
- **Graphics and Design:**
  Syed Rohullah Naqavi

Bonyad Akhtar Taban

Block 63, Alley 28, Safaiyah Street, Qom, Iran

+982537837506 | +989963778614

www.allamahrizvi.com

info@allamahrizvi.com

In the Name of Allah, the Most Gracious, the Most Merciful

THE PROPHET MOHAMMAD (pbuh)

And Islam Gradually Reaches beyond Mecca (Part 4)

Analysis by: Rais al-Muballigheen Allamah Sayyid Saeed Akhtar Rizvi
Preparation by: Hujjatul Islam Moulana Sayed kazim Rizvi

Introduction

This article is taken from the writings of Rais al-Muballigheen Allamah Sayyid Saeed Akhtar Rizvi, specifically from the book "Life of Muhammad the Prophet". Here, on the occasion of the birth anniversary of His Holiness (saww), some important topics are mentioned in this edition of the Akhtar Taban magazine, and other topics will be mentioned in the next editions. The contents of this book are very important, as Allamah Rizvi himself stated in the introduction of this book that: “The idea behind writing this book was to satisfy the needs of our new generation - the youths and the students who are unable to study the scholastic books written by the Muslim scholars and whose only source of information seems to be the biased writings of orientalists presented as "objective" and "authentic" studies.”

Islam Gradually Reaches Beyond Mecca

All these disappointments and persecutions notwithstanding, Islam was spreading in other tribes too, although very slowly and not on a grand scale. Its simplicity and rationality were such that it only needed to reach the ears of the people to stir their souls. For thirteen years, the Quraish did their very best to stifle the new religion, but their opposition itself provided the necessary publicity. Tribes from all corners of Arabia flocked to Mecca at the time of the annual pilgrimage.

Lest they should be influenced by the message of Mohammed, the Quraish used to post themselves outside the city and warn the pilgrims: "An infidel has been born in our city who dishonors our idols; he even speaks ill of Lat and Uzza; do not listen to him." People naturally got curious and wanted to know more about this man. A disciple of the Prophet, recalling his earlier days, stated: "When I was young, I used to hear from the people going to Mecca that a person claiming Prophethood had been born there." When the news spread, most people laughed and jeered at Mohammed, yet there were a few seekers of the truth who listened to his message and who were influenced by it. Hafiz ibn Hajar, in his book al-Isabah, mentions the names of several companions who had come from Yemen and other distant places and, after secretly accepting Islam, had gone back to work among their tribes. The clan of Abu Musa al-Ash'ari in Yemen accepted Islam in this manner.

Tufail ibn 'Amr, of the tribe of Daws, was a poet of repute who could by his poetic fervor sway the feelings and attitudes of the Arabs. He had come into contact with the Prophet and was so enthralled by the marvelous diction of the Qur'an recited to him that he accepted Islam instantly. He was able to win some converts in his tribe, but in general the tribe did not listen to him. He came back to the Prophet and requested him to curse the Daws but the Prophet prayed thus: "O God! Guide the Daws and send them to

me (as Muslims)." Soon after, the entire tribe accepted Islam.

Dhamad ibn Tha'labah was a chief of Azd and a friend of the Prophet in his early years. He came to Mecca and was told that Mohammed had gone mad. He approached the Prophet and said that he could cure him. The Prophet replied,

" All praise be to God; I praise Him and seek His forgiveness. If God were to guide anyone, he cannot go astray, and if He leaves anyone to stray, nothing can guide him. I declare that there is no god but Allah. He is one and has no partner, and further (I declare) that Mohammed is His Servant and Messenger".

It is almost impossible to reproduce the vibrating force and captivating charm of the Arabic text which so much impressed Dhamad that he accepted Islam immediately and through him his whole tribe submitted to it.

Abu Dharr of the tribe of Ghifar was one of those who were disgusted with idol-worship. When: be heard about the Prophet, he went to Mecca and incidentally met 'Ali with whom he stayed for three days. 'Ali introduced him to the Prophet and Abu Dharr accepted Islam. The Prophet advised him to go back home, but in his zeal he publicly announced in the Ka'bah: "There is no god but Allah and Mohammed is His Prophet." He was given a sound thrashing by the Quraish and was rescued by 'Abbas. Returning to his tribe, he invited it to accept Islam. About half of his tribesmen, accepted Islam and the rest followed suit when the Prophet migrated to Medina.

As the Ghifars were on very friendly terms with the tribe of Aslam, the latter were influenced by the former and also accepted Islam.

Quite a number of persons had incidentally heard the Qur'an being recited and were captivated by it. Jubayr ibn Mut'im had come to Medina to pay ransom for the prisoners of war of Badr. He happened to hear the Prophet reciting the following verses:

Or were they created out of naught? Or are they the creators? Or did they create the heavens and

the Earth? Nay, but they have no certainty. (Qur'an, 52:35-36)

Jubayr stated that when he heard these verses, he felt that his heart was about to soar.

First Pledge of Aqabah

As the Meccans refused tolisten to him, the Prophet used to preach to strangers and pilgrims visiting the Ka'bah. As described above, the news that a Prophet had arisen was spreading. A deputation of about twenty Christians from Nazareth came to meet him and embraced Islam. Similarly, another group of six persons from Yathrib accepted Islam. The next year, at the time of the annual pilgrimage, twelve Yathribites came and undertook a pledge known as the First Pledge of 'Aqabah (Mountain-pass), so named because it was done in an out of the way mountain-pass outside Mecca. The pledge was:

- Not associate anything with God;
- Neither steal nor commit adultery nor fornication;
- Will not kill our children;
- Will abstain from calumny and slander;
- Obey the Prophet in everything, and we will be faithful to him in weal and sorrow.

The period between the First and the Second Pledges was one of anxious waiting. The Meccans were sternly adamant, the people of Taif had rejected Muhammad, and the mission was making a slow progress. Yet hope had been engendered by its diffusion to the distant city of Yathrib. The conviction was very much there that the truth would ultimately prevail. Describing this period, Muir says:

" Mahomet, thus holding his people at bay, waiting, in the still expectation of victory, to outward appearance defenseless, and with his little band, as it were, in the lion's mouth, yet trusting in his Almighty's power whose messenger he believed himself to be, resolute and unmoved, presents a spectacle of sublimity paralleled only in the sacred records by such scenes as that of the prophet of Israel, when he complained to his Master, 'I, even I only, am left".

Ascension of the Prophet

It was at such a time that God Almighty, in His infinite Mercy and Benevolence, bestowed upon the Prophet the unique distinction of being lifted to the furthest limit of heavens and of being shown the gorgeous splendor of the heavens and the universe:

Glory to (Him) who took His servant for a journey by night from the Sacred Mosque to the Furthest Mosque whose precincts we have blessed, in order that we might show him some of our signs, for He is the Hearer and the Seer. (Qur'an, 17:1)

There has been a good deal of controversy over the question whether the Ascension (Mi'raj) was only a vision or an actual bodily journey. The majority of the traditionalists agree that it was a real physical journey, much like the bodily ascension of Jesus to heaven and the descent of Adam to earth.

The fact is that this controversy was created by Banu Umayyah whose interest in Islam was based not on faith but on politics and who did not like the idea of any miracle of the Holy Prophet gaining ground in the Muslims' minds. Their department of forgery obliged them in this respect also.

Two "traditions" from that department are repeatedly described by the Christians, the Ahmadis, and a group of the Sunnis; these are:

• Ayishah, wife of the Holy Prophet, is alleged to have said that during the whole night of the Ascension, the body of the Holy Prophet was on the bed.

•Mu'awiyah said that The Mi'raj was a "true dream".

Now the fact is that the Mi'raj (whatever its interpretation) took place in Mecca one or three years before the Hijrah. Bibi 'Ayishah did not enter the house of the Holy Prophet till one year after Hijrah. How could she say that she did not miss the body of the Holy Prophet at that time?

There is only one possible explanation: This "tradition" was forged by someone who did not know the sequence of Islamic history. Otherwise, he could not

have attributed this "tradition" to ’Ayishah.

Mu’awiyah was such an enemy of the Holy Prophet that when 8 years after the Hijrah, Mecca was conquered without bloodshed and Abu Sufyan (father of Mu’awiyah), seeing no alternative, accepted Islam, Mu’awiyah fled to Bahrain and wrote a nasty letter to his father condemning him for his acceptance of Islam. It was not till the 9th year of Hijrah that he brought himself to profess Islam. And the Mi’raj took place 10 or 12 years before that time. How could he know what the facts of the Mi’raj were?! He does not mention his source of information, and the inference is that there was no such source.

If you want to witness how politics controlled the version of Islam professed by the Umayyads, read one more ’tradition’ invented in their factory:

The king on the throne of Damascus is ’Abdul-Malik ibn Marwan. Iraq and Hijaz are in the hands of ’Abdullah ibn Zubayr. ’Abdul-Malik does not like the idea of the pilgrims of his domain being obliged to go to Mecca (which is in the enemy’s hands); so, he wants to enhance the prestige of Baitul Maqdis, which lies within his domain and plans to establish "hajj" to Baitul Maqdis. As part of that plan, all previous declarations that the Mi’raj was a dream are forgotten, and a tradition is forged that the final destination of the journey of the Mi’raj was Baitul Maqdis.

Soon thereafter, ’Abdullah ibn Zubayr is defeated and Hijaz comes under Syrian control; otherwise, we would surely have seen two centers of hajj in the Muslim world!

The Second Pledge of 'Aqabah

On their return to Yathrib, the converts to the faith spread the doctrines of Islam and a large number of Yathribites became adherents to the faith. In the following year, seventy people from Yathrib, including the twelve who took the first pledge, came to the Prophet to accept Islam and to invite him to their city. They swore allegiance to him. This pledge is known as the Second Pledge of

ʼAqabah. ʼAbbas, uncle of the Holy Prophet, although not a Muslim yet, was present on that occasion and exhorted the Yathribites to protect the Holy Prophet.

A Plan to Assassinate the Prophet

When the Meccans learned that Islam had struck roots in Yathrib and was fast spreading there, their animosity knew no bounds. Their chiefs, such as Abu Jahl, Abu Lahab, Abu Sufyan, and ʼUtbah gathered at Dar-un-Nadwa and, after rejecting suggestions to imprison or banish Muhammad, they planned to assassinate him.

And remember when the unbelievers plotted against you to imprison you, or to kill you, or to drive you out, they plotted and planned and Allah, too, planned. (Qurʼan, 8:30)

In order to escape the vendetta of Banu Hashim, it was decided that every clan should provide one man, and that they should collectively assault the Prophet as soon as he came out of his house. But God had apprised His Prophet of this plan well in advance and he informed ʼAli of it, ordering him to sleep in his (Prophetʼs) bed. The Holy Prophet covered ʼAli with his own green sheet. When ʼAli heard that his life was to be the ransom for the Holy Prophetʼs, he at once prostrated before Allah to thank Him for this unique honor. It was the first sajdah of "shukr" (a prostration of gratitude) in Islam. Thus, ʼAli slept soundly on the Holy Prophetʼs bed as the Prophet walked out of the house under the infidelsʼ very noses.

Coming out of the house, he recited the first few verses of the Surat Ya-Sin and threw a handful of dust over their heads. None of the enemies saw him going out.

The Holy Prophet had also ordered ʼAli to return the things which people had entrusted to him to their respective owners.

The polytheists of the Quraishite clans all the time thought that it was the Prophet who was sleeping and were anxiously waiting to kill him.

According to Usudul Ghabah of Ibn Athir Jazari, Ihyaʼ ul ʼUloom (of Ghazali) and Tarikhul Khamis of

Qadi Husain al Diyarbakri, it is learnt that when 'Ali slept in Muhammad's bed, God said to Gabriel and Michael:

" I establish brotherhood between you two and increase the life of one of you over that of the other. Having done so, I ask which of you is prepared to sacrifice his life for his brother".

Both Gabriel and Michael heard this address from the Lord but each held his life dearer than the other's and was not prepared to help his brother by sacrificing his own life. God then addressed them again,

" Can you not be like 'Ali ibn Abi Talib? See, I created brotherhood between Muhammad and 'Ali, and now 'Ali is sleeping in Muhammad's bed determined to sacrifice his own life for his brother. Now you both go to earth and guard 'Ali from the mischief of the enemies".

Then the two nearest-to-God angels came down and took their positions near the head and the feet of 'Ali. Gabriel said:

" Hail to thee! Hail to thee! Who can be like thee, O son of Abu Talib, so that the Lord is proud of thee and exalts thy virtue before the angels"?

And so it happened. When the Prophet was on his way to Medina, God revealed to him the following verse in praise of 'Ali:

And amongst men there is one who sells his life seeking the pleasure of Allah. And Allah is most benevolent to His slaves. (Qur'an, 2:207)

The Holy Prophet went to the mountain of Thawr accompanied by Abu Bakr and hid in a cave near its summit. This place is about 5 miles from Mecca.

There are two versions as to how Abu Bakr came to accompany the Holy Prophet. One narrative says that the Holy Prophet himself went to the house of Abu Bakr and told him to accompany him.

The other narrative says that when the Holy Prophet went away, Abu Bakr came there and asked 'Ali as to where the Holy Prophet was. 'Ali told him that he had already left for Medina. Abu Bakr went out looking for the Holy Prophet. The night was dark; therefore, when he came nearer, the Holy Prophet

thought that some infidel was pursuing him. He started going faster and faster, till his shoe-lace was broken and his toes were badly wounded. Then Abu Bakr called him. Recognizing his voice, the Prophet stopped. Abu Bakr caught up with him and asked permission to accompany him. Thus, they went together till they reached Thawr.

At dawn, the infidels entered the house. They were flabbergasted upon finding ʼAli in the bed instead of the Holy Prophet. At once they started looking for him, tracking him right up to the mouth of the cave. Still, they never thought of looking into the cave. Why?

As soon as the fugitives entered the cave, a spider wove cobweb at the entrance and a pair of pigeons built their nest at the mouth of the very cave in the darkness of the night and laid eggs at once. It was that cobweb and the nest with the eggs that made the blood-thirsty enemies believe that Muhammad (s.a.w.a.) could not be in that cave; otherwise, the cobweb would have been destroyed and the nest and the eggs broken! It was at this moment that they got so near to the cave that Abu Bakr started weeping, being afraid of the possible discovery. But the Prophet consoled him saying,

Grieve not; surely Allah is with us (Qurʼan, 9:40).

They left Mecca on the first night of Rabiʼ-ul-Awwal, (corresponding to 15 or 16 July, 622 C.E.) reaching the cave of Thawr before dawn and remaining therein up to 4th of Rabiʼ-ul-Awwal. On the 5th, they started their journey to Medina. ʼAbdullah ibn Urayqit al-Daylami was hired to show them the way. Abu Bakr offered one of his she-camels to the Holy Prophet for the journey. The Holy Prophet accepted it on the condition that Abu Bakr accepted its price. Thus, Abu Bakr sold one she-camel to the Holy Prophet for 900 dirhams.

Journeying by unfrequented routes, they safely reached Quba (2 miles south of Yathrib) on the 8th of Rabiʼ-ul-Awwal.

There, the Holy Prophet laid the foundation of the mosque of Quba which has been mentioned in the Qurʼan as "the Mosque founded on piety." After a few days, ʼAli

joined them there and they proceeded to Yathrib, entering it on Friday the 16th of Rabi' ul-Awwal with a group of followers who had come from Yathrib to welcome the Prophet. This was the Hijrah from which dates the Islamic calendar, the Hijri year.

Persecution Analyzed

The Prophet of Islam and his devoted band of followers had patiently endured untold hardship, tyranny and oppression for thirteen years and ultimately had to abandon their hearths and homes, sacrificing whatever worldly possessions they had. They had not wanted any worldly gains, nor had they aspired for any position of worldly eminence or share in the administration. The Prophet had unequivocally told the Meccans:

" I desire neither riches nor eminence nor dominion. I am sent by God who has ordered me to announce glad tidings to you. I convey to you the words of my Lord. I admonish you. If you accept the message, I bring you, God will be favorable to you both in this world and in the next. If you reject my admonition, I shall be patient and leave God to judge between you and me".

The early Muslims were harassed and persecuted simply because they believed in God, the Lord of the universe, and worshipped Him without ascribing to Him any partner or colleague. They had not exercised any compulsion, for the Qur'an had said:

There is no compulsion in religion; truly the right way has become clearly distinct from error; therefore, whoever disbelieves in the rebels (i.e. false deities) and believes in Allah, he indeed has laid hold of the strongest handle which shall not break off. (Qur'an, 2:256)

The Qur'an only appealed to the inner consciousness of man, to his reason and intellect. Nevertheless, the new religion was in sharp contrast with the cults practiced by the Quraish, which ages of observance and belief had sanctified for them. The Prophet preached equality of man and stressed the point that in righteousness alone lay the

superiority of one over the other. The Quraish saw in this leveling of distinctions the end of their authority and privileges as the guardians of the Ka'bah, of their political and social hegemony, and of their vested interests at large.

The new religion placed restraints upon the promiscuous and unbridled license indulged in social intercourse. It heralded the end of licentious ways, of sensual pleasure and drunken orgies to which the Quraish were, by and large, espoused. It imposed spiritual discipline in the form of prayers, fasting and continence and frowned upon avarice, greed, slander, falsehood, indecency and other vices with which society was permeated. In short, it meant the giving up of old ways and the taking to a new life of austere piety and chastity.

The opposition of the Meccans was, therefore, sharp and violent. They relentlessly persecuted the followers of the new faith and made life so difficult for them that ultimately the Prophet and his followers had to abandon their hearths and homes for more congenial surroundings. The Prophet did not even invoke the wrath of God on them. When once he was requested by Khabbab's son of Arrat to curse the Quraish, the Holy Prophet pulled him up by saying:

" People have gone by who were sawn and torn to pieces in the cause of God, but they did not desist from their duties. God will accomplish His plan till a rider will go from Sinai to Hadramaut fearing none except God".

How true was the prophecy!

The Prophet at Medina

Living in contact with the Jews, the Aws and the Khazraj were not foreign to the idea of the unity of God. They had heard from the Jews that a Prophet was to come. Some of their people had come into contact with the Prophet at Mecca and had been deeply impressed by Him. The deputation they had sent to Mecca had returned entirely satisfied and had accepted Islam. The disciples who had preceded the Prophet were spreading the message of Islam throughout Yathrib. Unlike the

Meccans, the Yathribites had no vested interest standing in the way of their accepting the new religion. Islam had already taken roots in Yathrib thus before the Prophet arrived there on the invitation of the people of Aws and Khazraj. No wonder they gave the Prophet a tumultuous welcome at Yathrib.

The name of the city was then changed to Madinat-un-Nabi, the City of the Prophet. Islam effaced the age-long enmity between the tribes of Aws and Khazraj.and they were given the honorific designation of "Ansar" (helpers or supporters). The emigrants, forty-five in number, were called "Muhajirun" (exiles). The construction of a mosque, Masjid-un-Nabi (mosque of the Prophet), was now underway, and the Prophet worked at it like any other laborer. Soon, a simple, unostentatious mosque with walls of unbaked bricks, with trunks of palm trees as pillars, and a thatch of palm leaves was built with a few adjoining rooms of similar material. On the completion of these rooms, the Prophet, who meanwhile was living with Abu Ayyub, moved into one of them.

The doors of the houses of some of the companions opened into the mosque (Masjid-un-Nabi). The Prophet ordered the doors of all of them except that of ʼAli to be closed. The companions raised some objections against this order. The Prophet, thereupon, stood up and addressed them. Having praised Allah, he said:

" In accordance with the decree of Allah, I ordered you to close the doors and ʼAli to keep his open. Your wrangling is undesirable. Neither did I open nor close any door of my own accord. I only acted as I was ordered by Allah".

The Muhajirun needed some meaningful relief. To ensure their economic security and also to establish brotherly ties between them and the Ansar, the Prophet joined each Muhajir with an Ansar in a tie of "Brotherhood" that became even more precious and enduring than the bond of blood relationship. The Ansar volunteered to share half and half with their contractual brothers everything they

earned or possessed. It is to this unification of interests that the Qur'an refers in the following passage:

Surely those who believed and migrated and strived hard in the way of Allah with their property and souls, and those who sheltered and helped them, these are indeed friends (and protectors) of one another. (Qur'an, 8:72)

The Muhajirun were anxious not to remain a burden on their brothers. Soon, many of them settled down to trade and do business. In the course of time, they were rehabilitated, and within a few years, they were no longer in need of any financial support. It was then that the following verse was revealed:

And the possessors of relationships are nearer to each other. (Qur'an, 8:75)

In Medina, Islam had at first to face serious difficulties. Danger threatened it from all sides, and it had to fight against great odds for mere survival. Some of the battles forced on it were inspired by political motives; others were the result of direct opposition to the new faith and the desperate efforts which its enemies exerted to put it down before it firmly established itself. Other difficulties were added by the predatory and warlike habits of the nomadic tribes hovering round the city and the insecurity and lawlessness prevailing in the country at large. It may be a good idea, therefore, to analyze and understand the political conditions of Arabia at this time.

Arabia's Prevailing Political Conditions

The Arabs belonged to one ethnic race, but history does not record that they were ever united as one nation. They were divided into tribes and clans, each having its own chief or chieftain. They, no doubt, spoke the same language, but each tribe followed a different dialectal variation. Indeed, even religion was not a binding force. Almost every house had its own god; tribes had their own supreme deities.

In the south were the small principalities of Himyar, Awza and Aqyal. In the middle and northern Arabia lived the tribes of Bakr,

Taghlib, Shaiban, Azd, Qudha'ah, Khandaf, Lakhm, Juzam, Banu Hanifa, Tay, Asad, Hawazin, Ghatfan, and Aws, Khazraj, Thaqif, Quraish and others; they were frequently engaged in intensive warfare. Bakr and Taghlib had been fighting each other for forty years.

Blood engagements had ruined many a tribe of Hadhramaut. Aws and Khazraj had exhausted themselves through a protracted war, and the Battle of Fijar between the Banu Qais and Quraish had not yet ended. If any member of a tribe was killed, the tribe considered itself duty bound to seek revenge not merely upon the murderer but also on the tribe to which he belonged. Since there was no effective machinery to settle such disputes, this invariably touched off furious wars, which lasted for generations.

Tribal might, dash and alacrity, were the only guarantee of a precarious security. The desert and the hills were the home of fierce nomadic tribes who lived largely on plunder and depredation, but trade was also a major source of livelihood for them. Only a few months of the year were regarded as sacred. It was only then that bloodshed was stopped in order to facilitate the performance of the annual pilgrimage to Mecca or to do trade at Ukaz. But even this convention was at times relaxed to suit the convenience of individual tribes. Only the precincts of the Ka'bah were considered sacred and were free from bloodshed. It is to this state of affairs that the Qur'an has drawn attention:

Do they not see that we have made a sacred territory secure for them, while men are carried off by force all around them? (Qur'an, 29:67)

The conditions in the country were so insecure that even till 5 A.H. the powerful tribe of Abdul-Qais of Bahrain could not think of going to Hijaz outside the sacred months. Even the caravans going to or returning from Syria were sometimes plundered in open daylight.

Muslims' pasturelands were at times raided. Although conditions had considerably improved by then, the route to Mecca from Medina was

not altogether safe until the fall of Mecca.

While the country was so strife-ridden internally, dangers from outside were no less. The Roman and Persian empires had extended their domain to the fertile provinces of Yemen, Oman and Bahrain and had established their sovereignty over them. The Romans had occupied Syria. Ghassan and some other Arab tribes, who had embraced Christianity, had been set up as the latter's feudatories.

The Romans had expelled the Jews from Syria and Palestine in the second Century B.C. These Jews had migrated to Medina and its suburbs and built strong fortresses at Medina, Khaibar, Taima, Fadak and other places. Prospering themselves, the Jews were extremely jealous of prosperity in other races and strongly resented rivalry in trade business. They believed themselves to be God's "chosen people" and their conduct was characterized by pride and arrogance intensified by the feeling of being secure inside their formidable fortresses.

It was during such times that the Prophet started his great Mission. For preparing the ground and the proper climate, the first step that he took was to unite the Ansar and the Muhajirun.

A Pact with the Jews

The Holy Prophet not only welded the Ansar and the Muhajirun into one Brotherhood, but he set himself to the task of establishing a stable society, a commonwealth based on equality of rights and on the concept of universal humanity. Granting equality of status and rights as well as full freedom of religion and of conscience to the Jews, he invited them to enter into a pact with the Muslims. He drew up a charter, which has been reproduced by the historian Ibn Hisham thus:

In the name of the Most Merciful and the Compassionate God. Granted by Mohammed, the Prophet, to the Believers, whether of Quraish or of Yathrib, and all individuals of whatever origin who have made common cause with them, all these shall constitute one nation.

Then, after regulating the payment of the diyah (blood money) by the various clans and fixing some wise rules regarding the private duties of Muslims among themselves, the document proceeds thus:

The state of peace and war shall be common to all Muslims; none among them shall have the right of concluding peace with, or declaring war against, the enemies of his co-religionists. The Jews who enter into this covenant shall be protected from all insults and vexations; they shall have an equal right with our own people to our assistance and good offices. The Jews of the various branches of ʾAwf, Najjar, Harith, Jashm, Thaʾlabah, Aws, and all others domiciled in Yathrib shall form with the Muslims one composite nation.

They shall practice their religion as freely as the Muslims. The clients and allies of the Jews shall enjoy the same security and freedom. The guilty shall be pursued and punished. The Jews shall join the Muslims in defending Yathrib (Medina) against all enemies. The interior of Yathrib shall be a sacred place for all those who accept this Charter. The clients and allies of the Muslims and of the Jews shall be as respected as the principals. All Muslims shall hold in abhorrence anyone found guilty of a crime, injustice, or disorder. None shall uphold the culpable, even if he may be his nearest in kinship.

Then, after some other provisions regarding the internal management of the State, this extraordinary document concluded thus:

All future disputes between those who accept this Charter shall be finally referred, after God, to the Prophet.

The Jews of Medina accepted this Pact. After some time, the neighboring Jewish tribes of Banu Nadhir and Banu Quraizah joined it, too. But, as later events proved, it was only expediency that had dictated this course of action to the Jews. There was no change of heart on their part and they secretly nursed the same hostile feelings against the Aws and the Khazraj as before and viewed the growing

confederation of the Muslims with grave concern and animosity. In the course of time, they started taunting and abusing the Muslims, frequently quarrelling with them and resorting to treachery and sedition. Some people of the Aws and the Khazraj who had become lukewarm converts assisted them: the Munafiqun (hypocrites). These were headed by ʼAbdullah ibn Ubay who had his own designs to become the ruler of Medina and, together with the Jews, they became a constant source of danger to the newborn religion and to its adherents.

The Jews, who had business connections with the Quraish of Mecca, conspired with them to eradicate the infant religion before it assumed formidable proportions. As the head of the religion, and "a general in a time of almost continual warfare," Muhammad was the guardian of the lives and liberty of the people. The very existence of the nascent religion was in serious peril. Islam preaches the brotherhood of mankind; it insists upon toleration of all religions and creeds; it enjoins kindness and compassion, but it does not preach monasticism, nor does it permit its followers to submit to the forces of disintegration.

Being in league with the Jews and the Munafiqun, the Meccans started harassing the Muslims. Under the leadership of Karz ibn Jabir al-Fahri, they started raiding up to the very outskirts of Medina, destroying fruit-bearing trees and carrying away flocks. News began pouring into Medina that the Meccans were allying with other tribes to launch a massive attack against the Muslims. Muhammad sent out small missions to these tribes to contract alliances and treaties. One of them entered into a treaty with the Banu Zamra. The terms of the treaty were as follows:

This is the document of Muhammad, Messenger of God, for Banu Zamra. Their lives and property are safe. If they are attacked by anyone, they will be assisted except when they themselves fight against the religion. In return, they will come to the help

of the Prophet when called upon by him.

A similar pact was made with the Banu Madlaj at Dhul ʾAshirah. The Quraish had sent a threatening letter to ʾAbdullah ibn Ubay who was the chief of his tribe before the arrival of the Prophet:

" You have given shelter to our man (Muhammad). You should either kill him or turn him out of Medina or else we swear that we will attack you and, killing all the males, we will capture and enjoy your women".

The attack was considered so imminent, and the small band of Muslims was in such peril, that the Prophet used to remain awake throughout the night. Al-Darmi and al-Hakim have recorded that: "When the Prophet and his companions came to Medina and the Ansars sheltered them, the Arabs decided to attack them. The Prophetʾs companions used to sleep holding to their weapons".

Some Reconnoitering Parties

The Quraishites were extremely furious about Muhammad (s.a.w.) slipping away from their hands, having made all preparations to kill him. The news that Islam was rapidly gaining hold in Medina did nothing to pacify their rage and enmity. Several times news reached Medina that they were planning to attack the Muslims. As a result, the Holy Prophet had to send out reconnoitering parties now and then to find out the designs and movements of the Quraish and to watch the routes to prevent any sudden attack.

Once, thirty Muslims (under the command of Hamza, the Holy Prophetʾs uncle) met a party of 300 riders (under the command of AbuJahl) at Saiful-Bahr. The Meccans were eager to massacre the small group; of thirty, but Majd ibn ʾAmr al-Juhni (who had a covenant with both groups) prevailed upon both groups and convinced them to go back to their respective places. Thus, a battle was averted.

Sometime later, a patrolling party of 60 or 80 Muslims, under the command of ʾUbaidah ibn Harith (a cousin of the Holy Prophet) reached Rabigh and found

200 riders of Quraish under the command of ʾIkrimah ibn Abu Jahl or Mukriz ibn Hafs. The Quraishites started the battle with their bows and arrows. Then, someone thought that the Muslims could not come with such a small force to face a group of warriors so superior in number unless they had a great army hidden somewhere. This idea spread, and they fled away.

A small party of twelve persons under the command of ʾAbdullah ibn Jahsh (a cousin of the Prophet) was dispatched to Nakhlah, a spot between Taif and Mecca, with sealed orders to be opened after two daysʾ journey a precaution against espionage which was rife. The letter, as quoted by al-Tabari on page 1275 of his Tarikh, stated:

" Stay at Nakhlah; gather information about the designs of Quraish and communicate".

It was only incidentally that the party met some Meccan traders and that one of them, ʾAmr ibn al-Hadhrami, was killed at the hands of ʾAbdullah. History has not recorded what altercation ensued between the two parties and which provoked the other. Whatever the immediate cause might have been, Abdullah had acted beyond his instructions, and this incident aggravated the situation. Except for this isolated incident, in none of the numerous expeditions listed by Arab historians as saraya was there any skirmish or a question of looting and plundering. They were sent out either to make alliances with neighboring tribes, or they were reconnaissance patrols, for news was reaching Medina that, the Meccans might strike any day

(... The rest of the demand in the next Magazine).

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دعائے ہر روز ماہ رمضان المبارک

حضرت امام صادق اور امام موسی کاظم علیہما السلام سے منقول ہے
کہ اس دعا کو ماہ رمضان کی ہر نماز کے بعد پڑھنا چاہئے:

يَا عَلِيُّ يَا عَظِيمُ يَا غَفُورُ يَا رَحِيمُ أَنت الرَّبُّ العظِيمُ

اے بلند و بالا مقام والے خدا! اے صاحب عظمت پروردگار! اے بخشنے والے
اور مہربان خدا! تو ہی بزرگ خدا ہے۔

الَّذِي لَيۡسَ كَمِثۡلِهِ شَيۡءٌ وَ هُوَ السَّمِيعُ الۡبَصِيرُ

تو ایسا خدا ہے جس کا کوئی مثل و نظیر نہیں ہے تو ہر بات سننے والا اور ہر چیز دیکھنے والا ہے۔

وَ هَذَا شَهۡرٌ عَظَّمۡتَهُ وَ كَرَّمۡتَهُ وَ شَرَّفۡتَهُ وَ فَضَّلۡتَهُ عَلَى الشُّهُورِ

یہ تیرا مہینے ہے جس کو دوسرے مہینوں کے مقابلے میں تو نے عظمت، کرامت، شرافت اور فضیلت عطا کی ہے۔

وَ هُوَ الشَّهۡرُ الَّذِي فَرَضۡتَ صِيَامَهُ عَلَيَّ وَ هُوَ شَهۡرُ رَمَضَانَ

اور یہ وہ مہینے ہے جس میں مجھ پر روزہ واجب کیا ہے، یہ رمضان کا مہینہ ہے۔

الَّذِي أَنۡزَلۡتَ فِيهِ الۡقُرۡآنَ هُدًى لِلنَّاسِ وَ بَيِّنَاتٍ مِنَ الۡهُدَى وَ الۡفُرۡقَانِ

یہ وہ مہینہ ہے جس میں تو قرآن کو نازل کیا ہے جو لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ ہے
اور لوگوں کے لئے ہدایت کے راستوں اور حق کو باطل سے جدا کرنے کی نشانیاں ہیں۔

وَ جَعَلۡتَ فِيهِ لَيۡلَةَ الۡقَدۡرِ وَ جَعَلۡتَهَا خَيۡراً مِنۡ أَلۡفِ شَهۡرٍ

یہ وہ مہینہ ہے جس میں تو نے شب قدر کو قرار دیا ہے اور اس شب قدر کو ہزار مہینوں
کی راتوں سے برتر اور افضل قرار دیا ہے۔

فَيَا ذَا الۡمَنِّ وَ لَا يُمَنُّ عَلَيۡكَ مُنَّ عَلَيَّ بِفَكَاكِ رَقَبَتِي مِنَ النَّارِ

بس اے وہ خدا جس نے سب پر اپنا احسان و کرم کر رکھا ہے اور کسی کا تجھ پر کوئی احسان نہیں ہے،
خدایا! دوسروں کی طرح مجھ پر بھی احسان و کرم کر، اور مجھے آتش دوزخ سے نجات عطا کر۔

فِيمَنۡ تَمُنُّ عَلَيۡهِ وَ أَدۡخِلۡنِي الۡجَنَّةَ بِرَحۡمَتِكَ يَا أَرۡحَمَ الرَّاحِمِينَ

اور اپنی ابدی جنت میں داخل فرما۔ اپنی بے پناہ رحمت کے سایہ میں جنت میں داخل فرما۔
اے تمام عالمین پر سب سے زیادہ رحم کرنے خدا!۔

AKHTAR TABAN

Bimonthly Research Journal

www.allamahrizvi.com

FOR MORE DETAILS:
WWW.ALLAMAHRIZVI.COM